حضرت علامہ سید جمال الدین افغانی کی مشہور عالم

کتاب

نیچریت

کا

اردو ترجمہ مع اضافہ سوانح مؤلف

از مولوی عبدالحنان صاحب منشی فاضل

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ

حضرت علامہ سید جمال الدین افغانی کی مشہور عالم

کتاب

نیچیریت

کا

اردو ترجمہ مع اضافہ سوانح مؤلف

از مولوی عبد الحنان صاحب منشی فاضل

جسے
مینجر کتب خانہ آصفیہ لاہور نے

مطبع حمایت اسلام پریس لاہور میں باہتمام شیخ حسن الدین مینجر چھپوایا

[illegible] لاہور

بار اول، تعداد جلد دو ہزار (۲۰۰۰)

قیمت فی جلد … (۱۹۶۱ء)

کی مجالس میں نہایت عزت اور وقعت کی نظر سے دیکھے جانے لگے۔ لیکن وہاں شیخ الاسلام کے دل میں آتش حسد نے شعلہ مارا۔ اور اس نے سید صاحب کی ایک تقریر کے غلط معنے لیکر ہنگامہ برپا کردیا کہ یہ شخص بدعقیدہ اور کافر ہے۔ جب شیخ الاسلام کے کہنے پر جہلا رفساد کے لئے آمادہ ہوگئے تو حکومت نے ازراہ مصلحت سید صاحب کو مصر جانے کا حکم دیدیا۔ چنانچہ آپ وہاں سے روانہ ہوکر ۱۲۸۸ھ میں مصر پہنچ گئے۔

قیام مصر

سید صاحب کا ارادہ قیام مصر کا نہ تھا لیکن وہاں کے عمائدین نے اصرار کیا اور حکومت کی طرف سے معقول وظیفہ مقرر کرادیا اور ان کو قیام پر راضی کرلیا۔ اب یہاں سید صاحب کے جوہر کھلنے لگے۔ درس وتدریس کا سلسلہ شروع ہوا۔ طلبار دُور دُور سے درس میں شریک ہونے کے لئے آتے یہانتک کہ رہائشی مکان ناکافی ہوگیا اور جامع ازہر میں جاکر تعلیم دینے لگے۔

مصر میں آپ کا قیام ۹ سال تک رہا۔ آپ کی تعلیم دقیانوسی طریقہ پر نہ تھی کہ صرف کتاب پڑھ لی جائے اور طالب علم ماحول سے محض بے خبر ہو۔ بلکہ وہاں ایک سیاسی بیداری پیدا ہوگئی۔ مصری مسلمان اغیار کی دسیسہ کاریوں اور اپنے حکمرانوں کی ناہنجاریوں سے باخبر ہوکر نجات کی تدابیر سوچنے لگے جسکا سلسلہ ابتک جاری ہے۔ یہ رنگ دیکھکر انگریزی نمائیندہ مقیم قاہرہ سخت گھبرایا۔ یہانتک کہ آخر توفیق پاشا خدیو مصر پر دباؤ ڈالکر سید صاحب کے اخراج کا حکم نافذ کرادیا۔

ہندوستان میں دوبارہ ورود

مصر سے روانہ ہو کر آپ ہندوستان چلے آئے۔ اور حیدر آباد دکن میں قیام کیا۔ اسی زمانہ میں رسالہ نیچریت لکھا جس کا ترجمہ ناظرین کے ہاتھ میں ہے۔ ان کے مصر سے آنے کے بعد وہاں انگریزوں کے برخلاف شورش برپا ہو گئی۔ حکومت ہند نے دکن میں انکا قیام مناسب نہ سمجھا اور بلا کر کلکتہ میں نظربند کر دیا۔ جب شورش فرو ہوئی تو حکم دیا کہ ہندوستان سے باہر چلے جائیں۔ اگرچہ ہندوستان میں آپ نظربندی کی حالت میں رہے تاہم اہل ملک مسلمانوں سے ان کے خیالات پوشیدہ نہ رہ سکے۔ اور ہندوستانیوں کے دلوں میں سید صاحب کی کافی عزت جاگزیں ہو گئی۔

قیام امریکہ

ہندوستان سے اول لنڈن تشریف لے گئے۔ پھر جلدی امریکہ چلے گئے وہاں جمہوریت امریکہ کے اصولوں کا مطالعہ کیا۔ کچھ عرصہ بعد لنڈن واپس آ گئے۔ چند دن وہاں رہکر پیرس کا عزم کیا۔

قیام پیرس

قریباً تین سال پیرس میں رہے۔ اس عرصہ میں شیخ محمد عبدہ آپکے شاگرد رشید اور مصر کے مشہور عالم و سیاست دان بھی پیرس آ گئے۔ یہاں سے آپنے عروۃ الوثقیٰ نامی اخبار جاری کیا۔ یہ ایک زبردست سیاسی جریدہ تھا۔ جس کی روش انگریزوں کے خلاف تھی۔

ان دنوں مہدی سوڈانی رح کے جہاد کا زور تھا۔ مہدی کے مریدوں میں کئی صاحبِ اقتدار اشخاص ایسے تھے جو مصر میں سید صاحب کے حلقۂ تلامذہ میں داخل رہ چکے تھے۔ اس جہاد سے انگریزوں میں کھلبلی مچی ہوئی تھی۔ ادھر سلطان المعظم سے بھی مصری معاملات پر ناچاقی تھی۔ انگریزوں نے جب مخالفوں کا دور دیکھا تو مسٹر بلنٹ (ایک انگریز مدبر جو جناب سید صاحب کا دوست و بظاہر مسلمانوں کا خیر خواہ تھا) کے ذریعہ سے سید صاحب کو لنڈن میں بلایا۔ اور مہدی سوڈانی رح اور سلطان المعظم کے ساتھ صلح کرنے کا واسطہ بنانا چاہا۔ آپ اس سے پہلے انگلستان اور مسلمانوں کے درمیان اتحاد کی کوشش کر چکے تھے۔ اس موقعہ پر انگریزوں نے اتحاد کی امید دلائی۔ غرض سید صاحب ترکی اور سوڈان جانے کے لئے تیار ہو گئے۔ بلکہ تمام سامانِ سفر بھی مہیا کر لیا۔ لیکن بعض متعصب اور مغرور انگریزوں نے سید صاحب کا واسطہ قبول نہ کیا۔ آپ وہاں سے مایوس ہوکر روس اور اسلام میں اتحاد کے واسطے براہ ایران ماسکو روانہ ہوگئے۔

قیامِ نجد و عراق اور ایران

انگلستان سے سید صاحب چلکر نجد و عراق گئے۔ وہاں کے علماء سے ملے۔ عمائدین اور امراء سے ملاقاتیں کیں۔ مسلمانوں کی نکبت و ذلت سے ان کو آگاہ کیا۔ اور اتفاق و اتحاد کی تلقین کی۔ تقریباً ایک سال اس علاقہ میں رہے۔ اسکے بعد ایران روانہ ہوگئے۔ جب خلیج فارس میں پہنچے تو ناصرالدین شاہِ ایران کے ایما پر اعتماد السلطنۃ کا برقی پیغام موصول ہوا کہ جناب طہران تشریف لائیں۔ اس بنا پر آپ سنہ ۱۳۰۴ھ میں رونق افزائے طہران ہوئے۔

ناصر الدین شاہ ایران کا استبداد

طہران پہنچے تو شاہ و وزرا کا حال دیکھ کر محو حیرت ہو گئے۔ بادشاہ عیاشی میں غرق۔ اعیان دربار رشوت خوری اور خود غرضی کی نجاست میں پھنسے ہوئے۔ خواہشات کا بازار گرم اور انصاف و انسانیت کے دروازے مسدود۔ دشمنانِ ملک و ملت آہستہ آہستہ ملک پر قبضہ جما رہے تھے۔ اور اہل وطن خواب غفلت میں مدہوش تھے۔ غرض۔ ع

شبان خفتہ و گرگ در گو سفند

کا پورا پورا نقشہ تھا۔ ایسی حالت میں سید صاحب جیسا مصلح کب خاموش رہ سکتا تھا۔ چنانچہ انھوں نے بادشاہ اور وزراء کے اعمال سیئہ کے خلاف بڑی جرأت سے نکتہ چینی شروع کی۔ اور جا بجا ان کی نالائقی اور استبداد کا پردہ فاش کرنے لگے۔ بھلا دریا میں رہکر مگرمچھ سے بیر۔ آخر تنگ آ کر بادشاہ نے ایران سے چلے جانیکا حکم دیدیا۔ اس طرح صرف چار ماہ ایران میں رہ کر روس کی طرف روانہ ہو گئے۔

قیام روس

اتحاد اسلام و برطانیہ سے مایوس ہو کر آپ روس کی طرف چلے تھے چنانچہ ایران سے روانہ ہو کر ماسکو پہنچے۔ وہاں روس کے مشہور مدبر اور انگریزوں کے سخت ترین مخالف کاٹکوف سے ملے۔ اس شخص کو سیاسیات روس میں بڑا دخل تھا۔ سید صاحب کو اس نے امید دلائی لیکن افسوس کہ چندروز بعد اس کا انتقال ہو گیا۔ اور سید صاحب کا منصوبہ پورا نہ ہو سکا۔

اس واقعہ کے بعد آپ پیٹرو گراڈ تشریف لے گئے۔ اعیان سلطنت نے شاندار استقبال کیا۔ دو سال تک وہاں مقیم رہے۔ اس اثنا میں ان کی سعی و کوشش سے قرآن شریف چھاپنے کی اجازت وہاں ہو گئی۔ جس کی پہلے زار کی طرف سے ممانعت تھی۔ یہ خدمت اسلام وہاں بجا لا کر جرمنی کیطرف روانہ ہو گئے۔

قیام جرمنی

آپ جرمنی میں ایسے موقعہ پر پہنچے کہ ناصر الدین شاہ ایران کا قیام بھی ان دنوں وہاں تھا۔ سید صاحب نے شاہ ایران سے بھی ملاقات کی۔ امین السلطنہ ایران کا با رسوخ شخص جو انگریزوں کا طرفدار اور روس کا مخالف تھا۔ سید صاحب سے آکر ملا۔ اور اسباب کا اظہار کیا کہ اگر روس مجھکو چند رعایات دیدے تو میں ہمیشہ کا وفادار رہوں گا۔ اس غرض کے واسطے سید صاحب کو دوبارہ روس میں جانا پڑا۔ دو ماہ وہاں رہکر واپس ایران چلے آئے۔

دوبارہ قیام ایران اور اخراج

روس سے واپس آکر ۳ ماہ طہران میں رہے لیکن وہی ابتری و بد نظمی حکومت میں جاری تھی۔ سید صاحب خاموش نہ بیٹھ سکتے تھے۔ آخر بادشاہ کے حکم سے اول طہران سے باہر ایک مقام پر نظر بند اور پھر بڑی بے رحمی سے بیماری کی حالت میں ایران سے خارج کر دیئے گئے۔ جس سے عوام میں بادشاہ کے خلاف غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔

ایران سے خارج کر کے سید صاحب کو والی بغداد کے پاس بھیجدیا۔ اور تاکید کی کہ علمائے عراق سے ملاقات نہ کرنے پائے کیونکہ اس سے امن عامہ میں

خلل کا اندیشہ ہے۔ لیکن عراق میں علما سے ملاقات ہوتی رہی۔ اس زمانہ میں سید صاحب نے مجتہد اعظم ایران کے نام بزبان عربی ایک خط لکھا جس میں تلقین کی گئی تھی کہ تمباکو وغیرہ کے اجارہ کو جو حکومت نے انگریزی کمپنی کو دیئے منسوخ کرائے جائیں۔

سنہ ۱۸۹۱ء میں بادشاہ اور وزرا نے لنڈن کی ایک کمپنی کو ایران کے تمام تمباکو کا اجارہ دیا کہ کمپنی کل پیداوار خرید لیا کرے۔ اور اپنی خواہش سے جس نرخ پر چاہے فروخت کرے۔ لیکن منافع کا ایک چوتھائی شاہ اور وزرا کی نذر کرے۔ لیکن علما نے حسب تلقین خط مذکور حرمت تمباکو کا فتوی دیدیا۔ فتوی کا شائع ہونا تھا کہ عوام الناس نے بالکلیہ تمباکو نوشی ترک کردی۔ آخر حکومت کو مجبوراً کمپنی کا تاوان دے کر اجارہ منسوخ کرنا پڑا۔ اس طرح ایران کے لئے اغیار نے غلامی کا جو جال بچھایا تھا اسکا تار پود سید صاحب کے ہاتھوں تار تار ہوگیا۔

قیام لنڈن

عراق میں کچھ مدت قیام کے بعد عازم لنڈن ہوئے۔ وہاں ایرانی معاملات پر مختلف مقامات میں تقریریں کیں۔ اور ضیاء الخافقین نام عربی اور انگریزی زبان کا ایک اخبار جاری کیا جس میں ناصر الدین شاہ ایران کے خلاف مضامین لکھے اور ایرانی قوم کو اصلاحات ملک کی طرف توجہ دلائی جاتی تھی۔ انگریز براہ راست اس اخبار سے قانوناً بازپرس نہ کرسکتے تھے۔ لیکن جس پریس میں یہ چھپتا تھا اس کو روک کر اخبار چھاپنا بند کرادیا۔ اور یوں بیداری ایران کے وسائل میں روڑے اٹکائے۔

ملہ مشرق و مغرب۔

دوبارہ قیام قسطنطنیہ

سلطان عبدالحمید خان اتحاد اسلام (پین اسلامزم) کے دل وجان سے ساعی تھے۔ اور سید صاحب کے خیالات اور قابلیت۔ نیز دنیائے اسلام پر انکے اثر و رسوخ سے بھی باخبر تھے۔ چنانچہ اس غرض کو سرانجام دینے کے لئے سید صاحب کو دعوت دی۔ پس یہ ۱۳۱۰ھ میں لنڈن سے روانہ ہوکر قسطنطنیہ پہنچگئے۔ سلطان المعظم شاہانہ عنایات سے پیش آئے۔ شاہی محل کے پاس ہی رہائش کے واسطے ایک مکان دیدیا۔ مبلغ ایک ہزار روپیہ اور مطابق بعض روایات دو ہزار سات روپیہ ماہوار وظیفہ مقرر کیا۔ کھانا شاہی دستر خوان سے جاتا۔ علاوہ ازیں سلطانی اصطبل میں ہر وقت ایک عمدہ گاڑی سواری کے لئے تیار رہتی۔ لیکن بعد میں حاسدوں نے طرح طرح کے حیلوں سے سلطان المعظم کو سید صاحب سے بدظن کردیا۔ بادشاہ کی نظر بدلی ہوئی دیکھکر دوست و احباب بھی ان سے کنارہ کش ہوگئے۔

انتقال

قسطنطنیہ میں چار سال سے کچھ زیادہ عرصہ تک مقیم رہے۔ لیکن اب آپ کی صحت میں فرق آگیا۔ جسم بہت نحیف ہوگیا۔ اور ۱۳۱۴ھ کو مرض سرطان میں مبتلا ہوگئے۔ آخر ۵ شوال ۱۳۱۴ھ مطابق ۹ مارچ ۱۸۹۷ء میں مشرق کا یہ آفتاب دیارِ مغرب میں غروب ہوگیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

جنازہ نہایت عزت و احترام سے اٹھایا گیا۔ اور شیخ مزارلقی نامی قبرستان میں جسدِ مبارک سپردِ خاک کیا گیا۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

سیّد صاحب کی شخصیّت

سیّد صاحب نہایت بارعب اور قوی ہیکل تھے۔ تقریر فصیح و بلیغ ہوتی۔ خصوصاً عربی زبان کے بلند پایہ مقرر تھے۔ باتوں میں کشش تھی۔ جو مخاطب کے دل میں کھُب جاتی۔ ایک عالم کا قول ہے" واقعہ یہ ہے کہ ان کے خطبوں سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے خطبات کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔" کسی رعب یا لالچ میں آکر سید ان عمل سے ہرگز نہ ٹلتے یہی وجہ تھی کہ جہاں گئے اہل کمال میں عزّت و احترام سے دیکھے جاتے۔ اور اہل غرض اور بندگان نفس کے محسود رہے۔

پروفیسر براؤن لکھتا ہے کہ "سیّد صاحب کے پاس سوائے وسیع علم۔ جرأت۔ خدا داد اور اسلام سے سچے عشق کے اور کچھ نہ تھا۔ تو بھی جابر سے جابر بادشاہوں کے تاج و تخت ان کے نعرۂ حق سے متزلزل ہو گئے۔

سیّد صاحب کا مطمح نظر اتحادِ اسلام تھا۔ وہ اندرونی اصلاحات کو بعد میں رکھتے تھے۔ اور اوّل متحد ہو کر بیرونی دشمنوں کے پنجہ سے نجات کے خواہشمند تھے۔ شیعہ سنّی تنازعات کو اسلام کے خلاف جانتے تھے جس کی بنیاد اتحاد و جمہوریت پر ہے۔ ان کا خیال تھا کہ عیسائی باوجود ادعائے تہذیب کے اسلامی ممالک کو نہایت بے دردی اور بربریت سے تباہ کر رہے ہیں۔ ان میں جنگ ہائے صلیبی کا جوش ابھی پورے زور پر ہے صرف طریق کار بدلا گیا ہے۔ اپنے لئے جس چیز کو جذبۂ قومیت خودداری۔ حب الوطنی۔ غیرت ملّی کہتے ہیں۔ یہی اوصاف اگر ایشیائی اقوام خصوصاً مسلمانوں

ہیں ہوں تو وہ تعصب۔ وحشت شورش۔ جہالت سے تعبیر کئے جاتے ہیں۔
ان کا قول تھا کہ انصاف وہاں ہی حاصل ہو سکتا ہے جہاں طالب
انصاف اپنے بازوؤں میں حصول انصاف کی طاقت رکھتا ہو۔
الغرض سید صاحب چودھویں صدی کے زبردست
مصلح تھے اور دنیائے اسلام میں اسوقت جو بیداری نظر آرہی ہے
اسکے بانی بڑی حد تک سید صاحب ہیں ؎

بہار اب جو دنیا میں آئی ہوئی ہے
یہ سب پود اُن کی لگائی ہوئی ہے

راقم۔ عبد الحنان

۳۔ شوال ۱۳۴۹ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

سید صاحب سے ایک دوست نے سوال کیا

کہ "آجکل ہندوستان کے گوشے گوشے سے نیچر! نیچر!! کی صدا آرہی ہے۔ ہر شہر اور ہر قصبہ میں کچھ لوگ نیچری کے نام سے پکارے جاتے ہیں مسلمانوں میں خصوصاً زیادہ ہیں میں نے کئی نیچری خیالات کے اشخاص سے پوچھا کہ نیچریت کی حقیقت کیا ہے؟ اور کب سے یہ مذہب نکلا اور آیا نیچریوں کا مقصد اصلاح معاشرت ہے یا کچھ اور؟ مذہب سے نیچریت کو کیا نسبت ہے۔ مخالفانہ یا غیر جانبدارانہ؟ تہذیب و تمدن میں مذہب اور نیچریت کا دخل کس حد تک ہے؟ اگر نیچریت قدیم الایام سے مروج ہے تو اب تک تمام عالم میں کیوں نہیں پھیلی؟ اور اگر جدید مسلک ہے تو اسکا نتیجہ کیا ہوگا؟ میرے ان سوالات کا جواب کافی طور پر کسی نیچری سے نہ ملا لہذا آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ نیچر اور نیچریت کی حقیقت سے کماحقہٗ مطلع فرمائیں۔

تحریر ۱۰ محرم ۱۳۵۵ھ ۔ محمود امثل مدرس ریاضی مدرسہ اعزہ حیدرآباد دکن۔

سیّد صاحب کا جواب

نیچر اور نیچریّت کے حالات

عزیزمن! نیچر کہتے ہیں طبیعت کو۔ اور نیچریّت وہی دہریّت ہے جو سنہ ق۔ یونان میں ایک گروہ نے پیدا ہوکر شائع کی۔ اس گروہ کا مطلب تمام مذاہب کی بیخکنی اور اباحت و اشتراک کی عوام الناس میں ترویج کرنا تھا۔ اپنے مقاصد مشئومہ کی اشاعت میں اس گروہ نے جان توڑ کوششیں کیں۔ اور مختلف رنگ میں عوام الناس کے سامنے اپنے آپ کو پیش کیا لیکن جس قوم میں پیدا ہوا اسکو تباہ و برباد کرکے چھوڑا۔ ان کے اصول و مقاصد پر غور کیا جائے تو صاف واضح ہوجاتا ہے کہ انکی تعلیم اجتماع انسانی کے ہر شعبہ کے لئے مضر اور تباہ کن ہے کیونکہ جملہ مذاہب اجتماع انسانی کے نظام کو حسن طریقہ سے چلانے پر مبنی ہیں۔ اور گروہ نیچریہ سب سے پہلے مذہب کی بنیاد کو کھوکھلا کرتا ہے تاکہ مذہب سے بدظنی پھیلا کر انکی اغراض کا راستہ صاف ہوجائے۔ باقی یہ امر کہ جب قدیم الایام سے یہ گروہ موجود ہے تو ابتک اسکے پیرو کیوں کم ہیں؟ سو اسکا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا ہے۔ یا یوں کہو کہ فطرت کا تقاضا ہے کہ اجتماع انسانی کا شیرازہ بندھا رہے۔ لہٰذا جب کبھی اس گروہ کا ظہور ہوا انکے خلاف اللہ تعالیٰ نے ایسے نفوس قدسیہ پیدا کردیئے جو انکے منصوبوں کو خاک میں ملاتے رہے اور کسی وقت انکو قیام و ثبات حاصل نہ ہوسکا۔ انکے تفصیلی حالات پر میں نے ایک رسالہ لکھا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ آپ اور دوسرے ارباب علم اسے بغور مطالعہ کرکے پسند کرینگے۔

رسالہ نیچریہ مولانا سید جمال الدین الحسینی

مادہ پرستی کی ابتدا

اقوام کی اجتماعی زندگی اور فلاح مذہب سے وابستہ ہے۔ مذہب سے انکی سعادتمندی اور مذہب پر انکی ترقی کا دار و مدار ہے۔
نیچریت تباہی اقوام کے جراثیم اور بربادی عالم کے مکروب ہیں۔ جن سے خلق اللہ کی ہلاکت اور انسانیت کا ستیاناس ہوتا ہے۔
آجکل ہندوستان کے اطراف و اکناف میں لفظ نیچر مشہور ہوگیا ہے ہر محفل اور ہر مجمع میں اسکا ذکر ہوتا ہے۔ اپنی اپنی دانست کے مطابق ہر شخص اسکا مفہوم اور مطلب بیان کرتا ہے۔ لیکن فی الحقیقت یہ لوگ نیچریت کی اصلیت سے بے خبر ہیں۔ لہذا میں چاہتا ہوں کہ اس لفظ کے مفہوم کو واضح کردوں۔ اور نیچریوں کے ابتدا سے اس وقت تک کے حالات لکھوں۔ نیز تمدن و تہذیب۔ معاشرت اور سیاست اخلاق اور اجتماع انسانی میں جو جو فساد اور تباہ کاریاں اس گروہ سے ظہور پذیر ہوئیں انکو تاریخی اور عقلی دلائل سے ثابت کروں۔
سنہ ق۔ م میں حکمائے یونان دو گروہوں میں منقسم ہوگئے۔ ایک اس بات کا قائل تھا کہ موجودات کی دو قسمیں ہیں۔ ایک مادی جو حواس ظاہری سے محسوس اور معلوم ہو سکتی ہے۔ دوسری مجردات جو حواس

ظاہری سے محسوس نہیں ہو سکتی ہے۔ موجودات مجردہ جسم اور عوارضات جسم سے پاک ہیں۔ ان دونوں اقسام کے علاوہ ایک اور ذات مجردہ ہے جو جملہ وجوہ سے مجرد اور مقدس ہے۔ عقل سے اسکا ادراک ناممکن ہے۔ اسکی حقیقت عین وجود اور وجود عین حقیقت ہے۔ یہ کل اشیاء مادیہ و مجردہ کی علت اولیٰ اور خالق ہے۔

اس گروہ میں فیثاغورث۔ سقراط۔ افلاطون۔ ارسطو وغیرہ گزرے ہیں یہ گروہ الہیین یعنی خدا پرست کہلاتے تھے۔

دوسرے گروہ کا عقیدہ تھا کہ مادہ اور مادیات (جو حواس ظاہری سے مشاہدہ اور محسوس ہو سکتے ہیں) کے علاوہ اور کوئی چیز موجود نہیں۔ یہ لوگ مادیین یعنی مادہ پرست یا دھری اور نیچری کہلاتے تھے۔

جب الہیین کی طرف سے مادیین پر اعتراض ہوا کہ اگر مادہ کے علاوہ اور کوئی ہستی موجود نہیں تو مادہ میں مختلف خواص اور تاثیرات کیوں ہیں۔ اشکال مختلفہ کہاں سے پیدا ہوئیں؟ اسکے جواب میں مادہ پرستوں کے دو گروہ ہیں۔ متقدمین۔ متاخرین۔ متقدمین بجائے خود کئی گروہ ہو گئے ہیں۔

مادہ پرست فرقے

۱۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ مادہ کی طبع میں یہ بات ہے کہ اس سے مختلف اشکال اور متفاوت تاثیرات پیدا ہوں۔ طبع کو انگریزی میں نیچر کہتے ہیں۔ اسواسطے مادیین کو طبیعین اور نیچری بھی کہا جاتا ہے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ عالم علویات اور سفلیات جزء لایتجزیٰ سے مرکب ہے۔

یہ جزیات بسیط اور متحرک بالطبع ہیں۔ انکی حرکات سے ترکیب ہوتی ہے۔ اور ترکیب سے محض اتفاقیہ طور پر مختلف اشکال اور متفاوت تاثیرات پیدا ہو جاتی ہیں۔ اس عقیدہ کا بانی ذیمقراطیس ہے۔ اسواسطے اجزائے بسیط کو اجزائے ذیمقراطیسی بھی کہتے ہیں۔ یہ گروہ اپنی نادانی کے سبب سے ترجیح بلا مرجح کا قائل ہو گیا ہے۔ یعنی وہ کیا چیز ہے جو بعض اجزا کو اجرام فلکی کی تشکل دیتی ہے اور بعض کو ارضی موجودات کی صورت میں تبدیل کرتی ہے۔ اور پھر ان سب میں تفاوت کیوں ہے۔ جب اجزا کی طبع ایک ہی ہے تو اشکال ایک جیسی ہونی چاہئیں۔

۲۔ دوسرا گروہ اس بات کا قائل ہے کہ عالم علویات اور سفلیات ازل سے موجودہ صورت میں قائم ہے اور اسی طرح موجود رہیگا۔ حیوانات اور نباتات کی کوئی انتہا نہیں۔ ہر حیوان میں دوسرا حیوان پوشیدہ موجود ہے۔ اس پوشیدہ حیوان میں دوسرا اور دوسرے میں تیسرا الیٰ غیر نہایت تک موجود ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس ہر بیج میں پودا اور پودے میں بیج الیٰ غیر نہایۃ موجود ہیں۔ ان پر یہ اعتراض ہے کہ مقدار متناہی میں غیر متناہی اشیا کیونکر سما گئی ہیں۔

۳۔ تیسرے فرقہ کا خیال ہے کہ نظام علوی اور سفلی کی طرح سلسلۂ حیوانات اور نباتات بھی قدیم ہے لیکن ہر فرد بذاتہ ازلی نہیں بلکہ ہر مقدم فرد اپنے ہمشکل اور مشابہ مؤخر فرد کے واسطے بمنزلہ قالب کے ہے۔ اس اعتقاد سے لازم آتا ہے کہ ناقصۃ الاعضا مقدم سے ناقصۃ الاعضا مؤخر پیدا ہو۔ مثلاً لنگڑے لولے کی اولاد لنگڑی لولی ہو۔ جو بنا ہے غلط ہے۔

۴۔ چوتھا گروہ اجمالی طور پر اپنے اعتقاد کو یوں ظاہر کرتا ہے کہ مرور زمان سے حیوانات و نباتات موجودہ شکل میں آ گئے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ شروع میں انسان کے بدن پر بھی ریچھ، بندر، سؤر کی طرح بال تھے۔ اس اعتقاد کا بانی ابیقورس ہے۔ جو دیو جانس کلبی کے متبعین میں سے ہے لیکن اس نظریہ پر کوئی دلیل پیش نہیں کی کہ مرور زمان کیونکر تبدیلئ اشکال کی علت بنگیا۔

متاخرین نے جب دیکھا کہ علمائے طبقات الارض نے ان کے نظریہ غیر متناہی کو باطل کر دیا ہے تو متقدمین کے اس اصول اور عقائد سے باز آ گئے۔ اور حیوانی اور نباتی جراثیم کی تکوین کے قائل ہو گئے۔ لیکن کیفیت تکوین میں یہ بھی کئی گروہ ہو گئے۔

۱۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ جب کرۂ ارض کی گرمی کم ہونے لگی تو جراثیم تکوین پذیر ہو گئے۔ اب کسی طرح انکی پیدائش ممکن نہیں۔

۲۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ تکوین جراثیم اب بھی ہوتی رہتی ہے خصوصاً خطِ استوا میں جہاں زمین کی حرارت زیادہ ہوتی ہے۔

ان دونوں گروہ پر یہ اعتراض لازم آتا ہے کہ جراثیم میں حیات کہاں سے آ گئی۔ جسکے سبب سے ان میں جذب اور کشش ہے اور اس جذب سے ترکیب اشکال ہوتی ہے۔ چنانچہ جب یہ حیات مفقود ہو جائے تو جذب فنا ہو کر ترکیب درہم برہم ہو جاتی ہے۔ نیز اسی حیات سے ذی حیات جراثیم غیر ذیحیات جراثیم کو غذا بنا لیتے ہیں۔

۳۔ تیسرا گروہ کہتا ہے کہ جب کرۂ ارض کرۂ شمس سے جدا ہوا تو جراثیم حیوانی اور تخم نباتی اس میں موجود تھے لیکن یہ عجیب نظریہ ہے۔ کیونکہ

یہی لوگ اسبات کے قائل ہیں کہ انفکاک کے وقت کرۂ ارض ایک آتشین قطعہ تھا۔ پس اس میں جراثیم اور تخم کیونکر سالم رہ سکے۔ اور جلکر خاکستر نہ ہوگئے۔

متاخرین کا آپس میں اختلاف ہے کہ جراثیم حالت نقص سے کمال تک کس کیفیت سے پہنچے اور کس طرح تا تمام صورت سے عالم کی موجودہ کامل صورت میں ظاہر ہوئے۔

۱۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ ہر نوع کے مخصوص جراثیم ہیں جو بمقتضائے طبع متحرک ہیں۔ اور دوسرے غیر ذیحیات ذرات کو کھا کر اپنی تشکیل میں تبدیل کرتے ہیں۔ اس قول کی تردید اس سے ہوتی ہے کہ کیمیاوی تحلیل سے واضح ہوگیا ہے کہ جراثیم میں کوئی خصوصیت نہیں۔ اور نہ انسان اور دوسرے حیوانات کے نطفہ میں کوئی تفاوت ہے۔ پس امتیاز اور اختصاص کی کوئی وجہ نہیں۔

۲۔ دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ جراثیم سب مساوی ہیں اور ان میں کوئی خصوصیت نہیں۔ البتہ ضروریات وحاجات اور آب وہوا کے اختلاف سے صورتیں مختلف ہو جاتی ہیں۔ اس عقیدہ کا پیشوا ڈاروِن ہے۔ یہ اپنی تالیف میں لکھتا ہے کہ انسان پہلے بندر تھا۔ رفتہ رفتہ اوتان کی تشکل میں آیا۔ پھر ترقی کرتے کرتے انسانیت کی پہلی منزل میں پہنچا۔ یعنی یاجوج ماجوج اور افریقہ کی وحشی اقوام کی صورت میں نمودار ہوا۔ پھر یہاں سے منازل ترقی طے کرتا ہوا (ڈاروِن[۱] جیسا) مہذب

---

[۱] کہا منصور نے کہ حق ہوں میں
ہنس کے بولے میرے ایک دوست
ڈاروِن بولا کہ بوزنہ ہوں میں
فکر ہر کس بقدر ہمت اوست
(اکبر)

انسان بنگیا۔ ڈارون یہ بھی کہتا ہے کہ عین ممکن ہے کہ مرور زمان سے آئندہ ہاتھی مچھر اور مچھر ہاتھی بن جائے۔

لیکن اس سے اگر پوچھا جائے کہ ہندوستان کے جنگلات میں ہزار ہا سال سے صدہا اقسام کے درخت اور ہزار ہا قسم کی جڑی بوٹیاں جو ایک ہی آب و ہوا میں پرورش پاتے اور ایک ہی مقام پر کھڑے ہیں۔ یہ کیوں رنگ و بو شکل و شباہت۔ قد و قامت۔ پھل پھول۔ ذائقہ اور تاثیرات میں مختلف ہیں۔ اور اب تک جوں کے توں کھڑے ہیں اور کوئی تغیر و تبدل ان میں نہیں آیا۔ اسی طرح بحیرہ یورال اور بحیرہ خزر کی مچھلیاں شکل و شباہت اور قد و قامت میں کیوں مختلف ہیں۔ باوجودیکہ ایک ہی جیسے پانی میں تیرتی اور ایک جیسی خوراک کھاتی ہیں۔

اسی طرح اگر اس سے سوال کیا جائے کہ جب جراثیم خود بخود ضروریات اور حاجات کے مطابق اشکال تبدیل کرتے ہیں تو ایک نطفہ میں کیوں مختلف اشکال کی اشیا پیدا ہوتی ہیں۔ یا ان ناقصۃ الخلقت اور بے شعور جراثیم کو کیونکر ادراک ہوا کہ ایسے اعلیٰ اعضا و جوارح تیار کر دیں جن کی حقیقت سے حکما عاجز اور نباائذ و نقاد سے علمائے معرفت الاعضا قاصر ہیں۔ اور کس طرح بے شعور ذرات اشکال کو معنوی و صوری کمالات کی رہنمائی کر سکتے ہیں۔ ان سوالات کا جواب یہی ہو گا کہ سر کھجلا کر خاموش ہو جائے۔

بیچارے ڈارون کو انسان اور بندر کی ناقص مشابہت سے دھوکا ہوا۔ اور خواہ مخواہ سلسلہ ارتقا کو ملانے کے واسطے ان خرافات کا قائل ہو گیا۔ اس نے جب سائبیریا اور عرب کے گھوڑوں کو دیکھا تو بالوں کی قلت

وکثرت کو ضرورت کا نتیجہ بتایا۔ اور یہ نہ سمجھا کہ بالوں کی کمی بیشی کی علت ویسی ہی ہے جیسی نباتات کی کمی بیشی میں ہے۔ یعنی مختلف موسموں میں ایک ہی سرزمین پر نباتات کم و بیش ہوتی ہے۔ یا سرد ملکوں کے باشندے موٹے تازے اور گرم ملکوں کے دُبلے پتلے ہوتے ہیں۔ تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ سرد ملکوں میں موٹاپے کی اور گرم ملکوں میں دُبلے پن کی ضرورت ہے۔ بلکہ اسکی علت یہ ہے کہ گرم ملک میں بدن زیادہ تحلیل ہوتا ہے اور سرد میں کم۔

ڈارون مسئلہ ضرورت کے متعلق ایک حکایت لکھتا ہے کہ کوئی قوم اپنے کتوں کے دُم کاٹا کرتی تھی۔ جب کئی صدیاں یہی عادت رہی تو کتے بے دُم پیدا ہونے لگے۔ کیونکہ جب قوم کو کتوں کے دموں کی ضرورت نہ رہی تو نیچر نے بھی اس کو واپس لے لیا۔ مگر ڈارون کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ عرب اور عبرانی اقوام کئی ہزار سال سے ختنہ کرتے ہیں۔ لیکن آجتک بے قلفہ[1] پیدا نہیں ہوئے۔

۱۳۔ متاخرین میں ایک گروہ ایسا پیدا ہوا کہ اسلاف کے پاور ہوا اقوال کے سقم سے مطلع ہو گیا۔ پس ان کو چھوڑ کر ایک نیا نظریہ پیش کیا۔ وہ یہ کہ ناممکن ہے کہ بے شعور جراثیم ایسی ذی شعور اور کمالات معنوی و صوری رکھنے والی اشکال کا موجب ہو سکیں۔ پس ذرات ذی شعور ہیں۔ اور اشکال کی تبدیلی کا موجب تین چیزیں ہیں۔ مادہ۔ شعور۔ قوت۔ پس مادہ اپنی قوت اور شعور کے باعث مختلف اشکال تبدیل کرتا اور نظام عالم

[1] بعض قومیں ہزارہا سال سے ڈاڑھی منڈانے کی عادی ہیں۔ لیکن اب تک اس بے ضرورت چیز نے انکا پیچھا بھی نہیں چھوڑا۔ (مترجم)

کے سلسلہ کو چلا رہا ہے۔ اور جب مادہ کسی ذیحیات جسد کی صورت میں
نمودار ہوتا ہے چاہے یہ جسد حیوانی ہو یا نباتی تو حفظ نوع اور حفظ ذات
کے واسطے مناسب اعضاء و جوارح پیدا کر لیتا ہے۔ اور محل اور موسم
کے لحاظ سے ضروریات مہیا کر لیتا ہے۔
لیکن ذرات ذیمقراطیسی کو ذی شعور ماننے سے خود ذرہ کا وجود
باطل ہو جاتا ہے جسے بڑی کاوش اور بڑی جدّوجہد سے قائم کیا ہے
اور جس پر سلف و خلف کو بڑا ناز ہے۔ کیونکہ اگر تمام ذرات کا شعور
مشترک و متحد ہے تو ایک عرض بوحدت شخصیہ مختلف محل پر قیام پذیر
ہوگا جو خود ان کے نزدیک بھی باطل ہے۔ اور اگر ہر ذرہ کا شعور مختص ہے
تو ذرات منتشرہ کی طرح یہ بھی منتشر ہوگا۔ اب سوال یہ ہے کہ کس طرح
ذرات مختلفہ نے ایک دوسرے کے علم سے آگاہ ہو کر یا کسی آلہ تفہیم سے
ایک دوسرے کا عندیہ معلوم کر کے یا کس مجلس مشاورت میں بیٹھکر
عالم علویات اور سفلیات کی تکوین کی تجویز منظور کی؟ اور کیونکر معلوم
کیا کہ ہم اس وقت بیضہ مرغ میں ہیں لہذا اسکی ضروریات مثلاً چونچ
پر وغیرہ بنانا چاہیئے۔ یا تخم شاہین میں ہیں لہذا اسکی ضروریات مثلاً
نوکدار و تیز چونچ و پنجے وغیرہ بنانا چاہیئے۔ یا کس طرح وہ سگ کے پیٹ
میں مادہ بچہ کے آئندہ حالات سے آگاہ ہو کر اُسکے پستان بنا دیئے
کہ اسکے بھی بچے ہوں گے۔ ان کے واسطے دودھ کی ضرورت ہوگی۔
اور کیونکر ذرات کو علم ہوا کہ حیوانات کو دل۔ گردہ۔ جگر۔ دماغ
وغیرہ کی ضرورت ہے۔ اور حسب ضرورت خود بخود یہ آلات
بنتے گئے؟

اگر ڈاہیبٹ بنگ کہدیں کہ ذرات جمیع ماکان و مایکون کا علم رکھتے ہیں۔ اور ہر ذرہ دوسرے ذرات کے جمیع معلومات اور جمیع صفات سے آگاہ ہے اور ان میں کا ہر ایک اپنی حرکات کو دوسرے کی حرکات کے ماتحت چلا کر سلسلہ عالم کو چلا رہا ہے۔ تو اس سے لازم آتا ہے کہ ہر ذرہ ذیمقراطیسی جو ذرہ بین سے بھی دکھائی نہیں دیتا ابعاد غیر متناہی پر مشتمل ہو۔ کیونکہ جب ایک صورت علمیہ اس میں مرتسم ہوگی تو ذرہ کا ایک جزو مرتسم فیہ ہوگا۔ اور صور علمیہ غیر متناہی ہیں لہذا ابعاد بھی غیر متناہی ہوں گے جو باطل ہے۔

علاوہ ازیں جب ذرات ذیمقراطیسی جمیع ماکان و مایکون کے عالم ہیں تو تکوینات کی ہر شکل کو تکمیل تک کیوں نہیں پہنچاتے اور کئی اشکال کو قبل از تکمیل تباہ کر دیتے ہیں۔ اور کیوں انسانی اور حیوانی اشکال اپنی حقیقت سے بے خبر اور اپنے درد و رنج کو دور کرنے سے عاجز ہیں۔ حالانکہ یہ انہی عالم کل ذرات کا مجموعہ ہے۔

عجیب ہے کہ کئی واہیات نظریات کے ماننے پر بھی ان مشکلات سے ان کو نجات نصیب نہ ہوئی۔

غرض دھریوں کے یہ دس گروہ ہیں جو صانع کے منکر ہیں۔ یہ حکمائے الٰہیین کی اصطلاح ہیں اور خود اپنی اصطلاح میں بھی مادیین طبعیین دھریین کہلاتے ہیں۔ چاہو تو نیچری کہدو مسمی سب کا ایک ہے۔ پھر کبھی ان کے مذہب کے تفصیلی حالات لکھونگا اور براہین قاطع اور دلائل عقلی سے انکے اصول مذہب کی تردید کردوں گا۔ فی الحال میرا مطلب صرف اتنا ہے کہ اجتماع انسانی اور تمدن و معاشرت میں

ان کے اصول اور تعلیمات سے نے جو مفاسد پیدا کیئے اُن کو بیان کروں اور مذہب خصوصاً مذہب اسلام سے نظام اجتماع میں جو فوائد رونما ہوئے اُنکو واضح کردوں۔

یہ نہ سمجھنا کہ اس بحث میں ہندوستان کے نیچری میرے مخاطب ہوں گے۔ حاشا وکلا۔ ان بیچاروں کی کہاں وہ لیاقت۔ اور کہاں وہ علم و دانش۔ یہ تو نیچریوں کے نقال اور دہریوں کا سوانگ بھرنے والے ہیں۔ دھری یا نیچری مختلف اقوام میں مختلف بھیس بدل کر نمودار ہوئے مثلاً کہیں حکیم۔ کہیں دافع جور و تعدی۔ کہیں کاشف اسرار و رموز کہیں صاحب علم باطن۔ کہیں محب الفقراء والمساکین۔ کہیں تہذیب و علم کے شائع کرنے اور توہمات کو دور کرنے والے۔ گاہے روشن دماغ و خیرخواہ خلق۔ اگر موقع مناسب ملا تو دعویٰ نبوت کر کے خلق اللہ کا ایمان چھینتے ہیں۔ لیکن جس لباس اور جس رنگ میں ظاہر ہوں انکے انداز قد کی شناخت یہی ہے کہ لوگوں کے خیالات و آراء کو متفرق کر کے قومی و ملی غیرت کا ستیاناس کر دیتے ہیں۔ جمعیت اور اتحاد کی بجائے تشتت و افتراق پیدا ہو جاتا ہے۔ آخر کار یہ قوم ذلت و رسوائی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔

چونکہ انسان میں جلب منفعت اور دفع مضرت کی خواہشات ہوتی ہیں جن کے حصول کے واسطے اخلاق اپنے معیار سے ہٹ کر انسان افراط و تفریط کے دلدل میں پھنس جاتا ہے۔ پس مذہب جو انسان کو آباؤ اجداد سے بطور ورثہ کے ملتا ہے ذہن میں ایسے قیود اور پابندی کا نقش بٹھائے رکھتا ہے جس سے اخلاق میں تعدیل رہتی ہے اور انسان متنزہ و

فساد سے جو تمدن و تہذیب کے واسطے تباہ کن ہیں رک جاتا ہے۔ اور اجتماع
انسانی کا نظام درہم برہم نہیں ہوتا۔ لیکن فرقہ نیچریہ سب سے اول مذہبی اعتقاد
کی بیخکنی کرتا ہے جب خیالات و آرا میں اختلاف پیدا ہوا تو آہستہ
آہستہ قومی شیرازہ بکھرتا گیا۔ ایسی قوم مضمحل ہو کر آخر تباہ و برباد ہو جاتی
ہے۔

اجتماع انسانی کے ستۂ ضروریہ

مذہب کے سبب سے انسان میں تین عقائد اور تین خصائل پیدا ہوتے
ہیں۔ ان میں سے ہر ایک اجتماع انسانی کا رکن رکین اور تہذیب و ترقی
کی بنیاد ہے۔ ان سے بین الاقوامی تعلقات مضبوط ہوتے ہیں۔
مختلف قبائل اور متفرق اقوام آپس کے شر و فساد سے رک کر علوم و
فنون اور تہذیب و تمدن میں اعلیٰ درجہ تک پہنچ جاتے ہیں۔

پہلا عقیدہ یہ کہ انسان اشرف المخلوقات ہے۔ اور جس مذہب
اور ملت سے اسکا تعلق ہے وہ جملہ مذاہب و ملل سے اعلیٰ و ارفع ہے
جب کسی انسان کا یہ عقیدہ ہو کہ میں اشرف المخلوقات ہوں تو وہ
کبھی حیوانی عادات اور بہیمی صفات کا ارتکاب نہیں کریگا۔ اسکے
واسطے مشکل ہوگا کہ شتر بے مہار ہو کر جو جی میں آئے وہ کر گزرے۔
بلکہ شرف انسانی ہمیشہ اسکو حیوانی حرکات سے روکے گا۔ جسقدر
یہ عقیدہ پختہ ہوگا اسیقدر رذائل سے بچیگا۔ اور جسقدر رذائل سے بچیگا
اسیقدر عقل میں ترقی اور تہذیب و شائستگی میں پختگی آئے گی۔ آخر انسان
ایک معیار بلند پر پہنچکر تمام کدورات اور خود غرضیاں چھوڑکر اخلاق فاضلہ کا

مالک ہوجاتا ہے۔ یہ وہ درجہ ہے جو تمام حکماء اور مصلحین دنیا کا مطمح نظر رہا ہے۔

برخلاف اسکے جس قوم کا یہ عقیدہ ہو کہ انسان اشرف المخلوقات نہیں بلکہ ارذل المخلوقات ہے۔ یا بندروں اور کیڑوں مکوڑوں۔ یا چھپکلیوں اور دوسرے حشرات الارض کی ذرّیات ہے۔ اور بے سعی و کوشش فقط مرور زمان سے اس درجہ پر پہنچ گیا ہے تو اس قوم کے افراد میں ترقی و تہذیب کا خیال کہاں تک جوش زن ہوگا۔ یا ان کے اخلاق و عادات میں کسطرح شریفانہ جذبات پیدا ہوں گے۔

اسطرح یہ عقیدہ کہ اسکا مذہب جملہ مذاہب سے اعلیٰ اور اسکی ملت تمام ملل سے ارفع ہے انسان کو سابقت پر آمادہ کرتا ہے یقیناً اس عقیدہ کا مالک اپنی فضیلت اور برتری قائم رکھنے کیواسطے ساعی رہیگا۔ میدان عمل میں تگ و دو سے کبھی گریز نہیں کریگا۔ اور ہرگز اسبات پر رضامند نہیں ہوگا کہ اسکا یا اسکی قوم کا ننگ و ناموس تباہ ہوجائے یا عزت و شرف کی جگہ ذلت و خواری آجائے۔ غرض کسی قسم کی دنائت اور فرومائگی برداشت نہیں کریگا۔ اور ہر فضیلت و شرافت کو اپنی قوم کا حق جانکر اسکے حصول میں بدل و جان کوشاں رہیگا۔ قوم کے انحطاط اور پستی کو دیکھکر قلب میں درد پیدا ہوگا۔ اور مادام الحیات اسکے دفعیہ کے واسطے ہر قسم کے وسائل بہم پہنچانے میں لگا رہیگا۔ یہی وسائل ہیں جن سے کوئی قوم سرخرو ہوتی اور تمدن و تہذیب میں رونق پاتی ہے۔

برخلاف اس کے جس قوم میں یہ خیال پیدا ہوجائے کہ یہ فطرۃ ذلیل

پیدا ہوئی ہے اور انسانی شرف سے پیدائشی محروم ہے تو ایسی قوم کے دل میں کبھی ترقی کا ولولہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ نہ ہی وہ قوم علوم و فنون کے واسطے کمرِ ہمت باندھ سکتی ہے۔ (دیکھو ہندوستان کی اچھوت اقوام کو)۔

۲۔ دوسرا عقیدہ یہ ہے کہ اس جہان فانی کے علاوہ ایک اور جہان ہے جو اس سے اعلیٰ اور وسیع ہے۔ انسان اس دار فانی میں اسو اسطے آیا کہ بذریعہ علوم حقہ اور بواسطہ سعی و کوشش ان تمام قویٰ کو جو قدرت نے اس میں ودیعت رکھی ہیں جلا دیکر کام میں لائے اور اس طرح نفس انسانی کو اعلیٰ مدارج تک پہنچائے۔ تمام رذائل مثلاً دروغگوئی رشوت خوری۔ حیلہ بازی۔ خیانت کاری۔ رہزنی۔ نقب زنی وغیرہ سے بچے تاکہ نفس پر ان کا بد اثر پڑکر ترقی روحانی کی راہ میں رکاوٹ نہ ہو۔ حتیٰ کہ روح صاف و پاک حالت میں دوسرے جہان کی طرف روانہ ہو۔ اور وہاں پائدار خوشی و خرمی نصیب ہو۔

پس یہ عقیدہ بھی اجتماع انسانی کے برقرار رکھنے کے لئے زبردست ذریعہ ہے۔ کیونکہ جب کوئی شخص اپنے حقوق سے تجاوز نہ کرے اور دوسرے کے حق پر دست تعدی دراز نہ کرے تو یقیناً افراد انسانی میں محبت۔ اور سلامت روی پیدا ہوگی۔ معاملات اور کاروبار میں کبھی ابتری پیدا نہ ہوگی۔ محبت اور دوستی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمام افراد اخلاق حمیدہ سے مزین ہوں گے۔ شقاوت و سیاہ بختی سے نجات پاکر سعادت و خوش بختی کے صراط مستقیم پر گامزن ہوں گے۔

برعکس اسکے اگر کسی قوم میں یہ عقیدہ مروج نہ ہو تو حصول حظ اہتمامات کیلئے

رہزنی۔ چوری۔ ظلم و تعدی۔ فریب و مکر۔ خیانت و رشوت خوری کا رواج ہو گا۔ ایسی قوم کے وقار میں انحطاط شروع ہو جائیگا۔ علوم و فنون سے محروم ہو جائے گی۔ عاقبت الامر ذلت کے عمیق گڑھے میں سرنگوں ہو کر گرے گی۔

۳۔ تیسرا عقیدہ یہ کہ تمام اشیاء محسوسہ و غیر محسوسہ کی علت اولیٰ اور خالق ایک ایسی ذات ہے جو ہر طرح کے عیوب سے منزہ ہے ہر چیز کی حقیقت اور کنہہ سے باخبر اور انسان کے خیالات و اعمال سے واقف ہے۔ ہر نیکی و بدی کی جزا و سزا اسکے ہاں ملیگی۔ پس یہ عقیدہ بھی انسان کو افعال شنیعہ کے ارتکاب سے زبردست مانع ہے۔ اور ہزارہا قوانین اور ہزارہا پولیس سے زیادہ مفید ہے۔ کیونکہ جب محاسبہ کا خوف ہر وقت دل میں جاگزیں ہو تو کبھی افعال ناشائستہ انسان سے صادر نہ ہوں گے۔ اور جہاں دنیاوی طاقت کا دسترس نہ ہو یہ وہاں بھی انسان کو ارتکاب جرم سے روکے گا۔

مذہب کے باعث انسان میں جو نیک خصائل پیدا ہوتی ہیں۔ اُن میں سے ایک خصلت حیا ہے۔

۱۔ حیا۔ ایسی خصلت ہے کہ ہر قبیح فعل کے ارتکاب سے انسان کو روکتی ہے۔ اس میں یہ تاثیر ہے کہ ہر وہ فعل جو انسانی معاشرت میں رذیل سمجھا جاتا ہے انسان اس کے ارتکاب سے باز رہتا ہے۔ نظام عالم اور اجتماع منزلی و مدنی میں اس خصلت کو بڑا دخل ہے۔ کیونکہ اگر حیا مانع نہ ہو تو کوئی قانون فواحشات کے ارتکاب سے کما حقہٗ انسان کو باز نہیں رکھ سکتا۔ اگر ہر فحش پر قتل کی سزا بھی دیجائے تو بھی ناممکن ہے

کہ انسان صرف قانون کے خوف سے متقی اور پرہیزبن جائے۔ بلکہ یہی خصلت ہے کہ انسان کو تنہا سے تنہا مقام پر بھی شرف نفس کا واسطہ دیکر افعال شنیعہ سے روکتی ہے۔ اس خصلت کے سبب سے خودداری۔ شرافت غیرت۔ راستبازی۔ اعتماد علی النفس جیسے اخلاق حمیدہ پیدا ہوتے ہیں جو قومی اور شخصی شان و شوکت۔ دولت و شرافت اور علوم و فنون کی ترقی کا ذریعہ ہیں۔ جب قوم میں یہ اوصاف نہ ہوں وہ ہمیشہ ذلت مسکنت اور غلامی میں مبتلا رہیگی۔ اور کبھی ترقی و تہذیب کی طرف اس کا قدم نہیں اٹھیگا۔

اجتماع انسانی اور معاشرت میں حیا کو بڑا دخل ہے۔ کیونکہ اجتماع کا دارومدار ایسے قوانین پر ہوتا ہے جنسے حقوق کی حفاظت ہو۔ اور حفظ حقوق بغیر شرم و حیا کے ناممکن ہے جسکا مذہب "بے حیا باش ہر چہ خواہی کن" ہو وہ حقوق کا کیا لحاظ کریگا۔

حیا کے سبب سے انسان میں ہم چشموں سے مقابلہ کی ہمت پیدا ہوتی ہے۔ دیکھو جب استاد شاگرد کو کسب فضائل کا شوق دلانا چاہے تو اسکو یہ کہکر ہمت دلاتا ہے کہ "تمکو شرم نہیں آتی کہ ہم جماعت تجھ سے لائق اور محنتی ہیں"۔ اگر حیا میں یہ اثر نہ ہو تو یہ کہنا عبث ہو جائے۔

پس جس قوم میں حیا کا جوہر موجود ہو وہ ہر طرح ترقی کے لائق ہے اور جس سے یہ صفت مفقود ہو جائے وہ تمام رذائل کی منبع اور تمام ذلتوں کی جڑ ہے۔ بے غیرتی اور سفلہ پن۔ اسکا شعار کتے کی سی خوشامد اور کاسہ لیسی اسکا دین بن جاتا ہے۔ ایسی قوم حیوانیت کیطرف راغب اور شرافت و خودداری سے نفور ہوگی۔

۲۔ دوسری خصلت **امانت** ہے۔ یہ ہر شخص پر واضح ہوگا کہ بنی نوع انسان کی زندگی کا دارومدار معاملات پر ہے اور معاملات کی روح رواں **امانت** ہے۔ جب انسان میں امانت نہ رہے تو تمام کاروبار معطل ہو جائیں گے۔ اور زندگی دنیا میں ناممکن ہو جائے گی۔ علاوہ ازیں انسان کے آرام و آسائش۔ رفاہیت و معیشت کا انتظام حکومت کے بغیر دشوار ہے۔ حکومت جمہوری ہو یا مشروطہ (پارلیمنٹری) یا مطلقہ ہر ایک کے واسطے چار شعبجات کا ہونا ضروری ہے جو حکومت کے ارکان اربعہ کہلاتے ہیں۔

۱۔ **شعبۂ مدافعت** ۔ اس میں ایسے اشخاص ہوتے ہیں کہ ملک و ملت کی نگہبانی ان کے سپرد ہوتی ہے۔ یہ بیرونی دشمنوں کی دستبرد سے وطن اور قوم کو محفوظ رکھتے ہیں۔ اور اندرونی ظالموں۔ ڈاکوؤں چوروں کا قلع و قمع کرکے امن و امان قائم رکھتے ہیں۔

۲۔ **شعبۂ قضا** ۔ اس میں عالم فاضل اور قانون دان شریک ہوتے ہیں جو کرسی عدالت پر بیٹھکر افرادِ ملت کے فوجی اور دیوانی مقدمات کا فیصلہ کرتے ہیں۔ اور ملک میں قانون کی عزت قائم رکھتے ہیں۔

۳۔ **شعبۂ مالیہ** ۔ یہ ایسے افراد پر مشتمل ہوتا ہے کہ حکومت کی آمدنی کے ذرائع کی نگرانی اور عموم ملت سے مالیہ وغیرہ لے کر شاہی خزانہ میں جو درحقیقت ملت کا مال ہوتا ہے جمع کرتے ہیں۔

۴۔ **شعبۂ اقتصاد** ۔ اس میں ایسے افراد ہوتے ہیں کہ جمع شدہ خزانہ کو اقتصادی اصول کو مدنظر رکھکر رفاہِ عام پر خرچ کرتے ہیں۔ مثلاً مدارس و مکاتب کی تاسیس۔ پلوں اور سڑکوں کی تعمیر۔ شفاخانوں اور دوسری

ضروریات کا اجرا۔ یا ملازمین حکومت کے مواجب پر خرچ کرتے ہیں۔
یہ ارکان اربعہ اپنے اپنے مفوضہ فرائض باحسن طریق اسی وقت بجالاسکیں گے کہ ان میں خصلت امانت ہو۔ اگر بجائے امانت کے خیانت ہو تو ملک کا امن وامان مفقود ہوگا۔ قتل وخونریزی کی گرم بازاری ہوگی۔ حکومت کا خزانہ خالی ہوجائیگا۔ ملک میں ابتری پھیلیگی۔ اور آخر ایسی قوم اغیار کی غلامی اور اسیری کے تلخ گھونٹ پینے پر مجبور ہوگی۔
اسی طرح کسی قوم میں اگر امانت و دیانت نہ ہو تو اسکا غلبہ اور عزت ناممکن ہے۔ اس میں اتحاد و یکجہتی آ ہی نہیں سکتی۔ ایسی قوم کبھی خودغرضی کو چھوڑ کر قومی وقار کے واسطے قربانی نہیں کرسکتی۔ غرض حکومت و غلبہ۔ عزت و آبرو۔ دولت و ثروت۔ عدالت و قانون اور اجتماع انسانی کے دیگر تمام شعبجات امانت پر موقوف ہیں۔ جس قوم میں امانت نہیں وہ ہمیشہ مصائب و آلام کا شکار رہیگی۔ اور ذلت و خواری برداشت کرتے کرتے صفحہ ہستی سے نابود ہوجائیگی۔

۳۔ تیسری خصلت صداقت ہے۔ واضح ہو کہ انسان کو اپنی زندگی میں ہزارہا حاجات اور ہزارہا ضروریات پیش آتی ہیں جن کے بغیر اسکی زندگی محال ہے۔ چونکہ اسباب معیشت بسا اوقات مستور و مخفی ہوتے ہیں۔ اور حواس ظاہری سے ان کو انسان معلوم نہیں کرسکتا علاوہ ضروریات کے سینکڑوں مصیبتیں پردہ خفا میں اسکی گھات میں ہوتی ہیں۔ تاکہ اسکی جان و مال اور عزت و آبرو کو تباہ کریں۔ اور آرام و آسائش سے اسکو بالکل محروم کردیں۔ ان تمام ضروریات کو انسان ضعیف البنیان تنہا پورا نہیں کرسکتا۔ نہ مصائب سے اکیلا

اپنی قوت سے نجات پا سکتا ہے۔ پس لامحالہ اسکو مشیروں اور دوستوں کی ضرورت پیش آتی ہے۔ تاکہ انکی مدد اور مشوروں سے صحیح راستہ پر چل کر زندگی بسر کرے۔ اگر بنی نوع انسان میں صداقت نہ ہو تو مشورہ سے کیا فائدہ ہوگا۔ اور مصائب سے کسطرح نجات پا سکیگا۔ کیونکہ جھوٹا آدمی جھوٹ کو سچ اور سچ کو جھوٹ۔ مفید کو مضر اور مضر کو مفید بتائیگا۔ غرض کسی کو کسی پر اعتماد نہیں رہیگا۔ اور یوں بیچارے انسان کیواسطے زندگی دشوار بلکہ محال ہو جائے گی۔

نیچریت سے تمدّن کی تباہی

پس نیچری جس قوم میں پیدا ہوئے اُنہوں نے انسانیت کی اس مسدس الزاویہ قصر کی بنیاد کو اکھیڑنا چاہا تاکہ انسان مدنیّت کے بلند مقام سے گر کر بہیمیت اور وحشت کی خاک مذلت پر آرہے۔

سب سے پہلے انہوں نے یہ تعلیم شروع کی کہ تمام مذاہب باطل اور انسان کے توہمات کا نتیجہ ہیں۔ انسان میں کسی قسم کی شرافت اور مذہب کوئی برتری نہیں۔ یہ بھی دوسرے حیوانات کی طرح ایک حیوان ہے بلکہ کئی حیوانات سے پستر ہے۔ یہ انسان کا توہم ہے کہ اپنے آپ کو اشرف المخلوقات سمجھ رہا ہے۔ ان کی اس تعلیم سے بہت سے لوگ متاثر ہو کر حیوانی جذبات کے شکار ہو گئے۔ اور ان سے ناشائستہ افعال سرزد ہونے لگے۔

یہ بھی انکی تعلیم ہے کہ اس جہان کے علاوہ اور کوئی جہان نہیں۔ انسان سبزہ کی طرح ہے کہ بہار میں خاک سے پیدا ہو کر اور خزاں میں خشک

ہوکر پھر خاک میں ملجاتا ہے۔ پس سعادتمند وہ ہے جو اس جہان میں تمام لذات اور خواہشات کو جس طرح ممکن ہو حاصل کرے اور امروزہ عیش کو فکر فردا میں مکدر نہ کرے۔ اس تعلیم سے نوع انسان میں غدر، خیانت، مکروفریب۔ اور دوسرے افعال قبیحہ کا رواج دینے لگے۔ اور انسان کے عقل اور قوائے ذہنیہ جیسے جوہر کو معطل کرانا چاہا۔ جسکے سبب سے انسان کمالات ظاہری و باطنی حاصل کرکے شرف و مجد کے مدارج عالیہ پر سرفراز ہوتا ہے۔

جب اُنہوں نے دیکھا کہ شرم و حیا اُنکی تعلیم کو مؤثر نہیں ہونے دیتا اور اس شریف جوہر کے ہوتے انسان کبھی اباحت و اشتراک جیسے حیاسوز افعال کا قائل نہیں ہو سکتا۔ اور کبھی گوارا نہیں کریگا کہ مناکحت وغیرہ کے قیود اُٹھاکر حیوانات کی طرح ماں بہن کی تمیز اُٹھا دی جائے تو اُنہوں نے یہ کہنا شروع کردیا کہ حیا دل کی کمزوری کا نتیجہ ہے اور انسان میں یہ ایک عیب ہے، جسے قوی دل ہوکر دور کرنا چاہیئے تاکہ دلیر ہوکر نیچر کے تمام انعامات سے بطور اشتراک اور اباحت مستفید ہو سکے۔

واضح ہو کہ صداقت اور امانت کا موجب دو امر ہیں۔ اعمال کے محاسبہ کا خوف اور جوہر حیا[۱]۔ یہ بھی معلوم ہو گیا ہے کہ نیچریوں کی تعلیم کا اصل الاصول یہ ہے کہ یوم الحساب کا عقیدہ اور جوہر حیا کی خصلت انسان سے دور کی جائے۔ کیونکہ جب تک یہ دو امور انسان کے خیال میں جاگزین ہیں یہ کبھی اشتراک اور اباحت کا قائل نہیں ہو سکتا۔ اگر کسی وقت

---

[۱] شریعت اسلامی نے حیا کو ایمان کا جزو قرار دیا ہے۔ اس جوہر شریف کی حفاظت کے واسطے پردہ کا حکم دیا۔ موجودہ زمانہ کے تعلیم یافتہ نہیں بلکہ تعلیم زدہ گروہ نے پردہ کے خلاف طوفان مچا رکھا ہے انکو واضح ہونا چاہیئے کہ اگر یہ جوہر شریف جو انسانیت کا دارمدار ہے مفقود ہو گیا تو نتیجہ وہی ہوگا جو اس وقت یورپ کا [illegible] کی شکل میں [illegible]

امادہ بھی ہو جائے تو خوف محاسبہ اور جوہر حیا اسکو روک دینگے۔ یہی باعث ہے
کہ انکار ورانِ دوا موس کے خلاف زیادہ ہوتا ہے تاکہ اباحت کی اصل
رکاوٹ دور ہو کر انسان حیوان کی مانند لامذہب اور بیباک ہو جائے۔
دیانتداری کو یوں دور کرنا چاہا کہ شریعت مقدس نیچر نے تمام
اشیا کو مشترک پیدا کیا ہے۔ جو لوگ اسکو اپنے واسطے مخصوص کر لیتے ہیں
یہ ظالم ہیں۔ پس دنیا بھر کے صعالیک[1] کو متحد ہو کر ان ظالموں سے اپنا
حق لینا چاہیئے۔ جس طرح ہو سکے مال مشترک سے فائدہ اُٹھاؤ۔ کہاں
کی دیانت اور کس کی امانت۔ یہ انسان کے جعلی قواعد اور توہمات ہیں۔
پس غور کرو کہ جس قوم میں یہ خیالات رواج پا جائیں اسکی ہلاکت اور
تباہی میں کیا کسر باقی رہیگی۔ اب میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ یہ لامذہب
گروہ نوع انسان کا سخت ترین دشمن ہے۔ جس چیز کو یہ مالیخولیا زدہ
فرقہ اصلاح کہہ رہا ہے وہ انسانی اجتماع کے واسطے بدترین فساد ہے
یہ معلوم ہے کہ انسانی بقا کا دار و مدار مختلف کاروبار اور متفرق صنعت و
حرفت پر ہے۔ ان میں بعض سہل الحصول ہیں اور بعض مشکل۔ جن اشخاص
نے دماغی کاوش اور جسمانی تکلیفات برداشت کرنے کے بعد اعلیٰ علوم و
فنون میں کامیابی حاصل کی ہو۔ ان کی زندگی کا معیار ضرور بلند ہوگا۔ اور
جو کاہل و سست رہے ہوں ان کو ذلت و خواری میں مبتلا ہونا پڑیگا۔
اب اگر نیچری مساوات[2] کا رواج ہو جائے تو انسان محنت و مشقت سے

---

[1] صعلوک کی جمع معنے مزدور۔ غربا ملنگ وغیرہ۔ بالشویکی نوٹ پر عربی عبارت میں لکھا ہوتا ہے
یا صعالیک العالم اتحدوا۔ [2] نیچری نعیجا و حقوق میں سب انسانوں کو برابر جانتے ہیں جو
فساد کی بنیاد ہے۔ البتہ حقوق میں سب انسان برابر ہیں اسلئے اجتماع انسانی میں نہایت مفید چیز ہے[illegible]

رک جائیگا۔ بھلا جسکو بے ہاتھ پیر ہلائے سب کچھ میسر ہو جائے اُسے کیا ضرورت کہ محنت و مشقت برداشت کرے۔ اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ علوم و فنون تباہ معاملات برباد۔ شرافت گم۔ عقل بیکار۔ قوائے انسانی معطل ہو جائینگی اس حالت میں انسان بیچارے کی کیا حالت ہوگی بشرطیکہ بقا ممکن ہو۔ لیکن افسوس! افسوس!!۔

نیچریوں نے اپنے خیالات فاسدہ کی اشاعت کے لئے کئی طریقے اختیار کئے ہیں۔ اگر خوف و خطر نہ ہو تو علانیہ لوگوں کے معتقدات اور خصائل پر نکتہ چینی کرتے ہیں۔ خطرہ کی صورت میں اشاروں اور کنایوں سے کام لیتے ہیں۔ کبھی ارکان ستہ ضروریہ کے لوازمات سے انکار کیا ہے۔ مثلاً ثواب و عذاب کا انکار کیا ہے جس سے عاقبت کا انکار لازم ہو جاتا ہے۔ کبھی اشتراک اور اباحت کے فوائد بیان کرتے ہیں۔ کبھی اہل مذہب کو ستدراہ جان کر ہزارہا بیگناہوں کو قتل کیا ہے۔

غرض بعض شریر الفطرت اشخاص جنکا انتہائے مقصود خواہشات نفسانی کا پورا کرنا ہوتا ہے چاہے کسی ذریعہ سے ہو وہ نیچری تعلیمات کے معتقد اور دل و جان سے اسکی اشاعت میں کوشاں ہو جاتے ہیں اور بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ انکے خرافات کے معتقد تو نہیں ہوتے لیکن اسکے اثر سے بچ بھی نہیں سکتے۔ کیونکہ اکثر لوگ تقلیدی طور پر کسی عقیدہ یا خصلت کے پابند ہوتے ہیں اور تحقیقی ملکہ ان میں نہیں ہوتا تقلیدی عقیدہ ادنی شبہ سے زائل ہو جاتا ہے۔ پس ادروئے نتائج بہت سے لوگ اس آفت میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ اور افعال قبیحہ

ان سے سرزد ہونے لگتے ہیں۔ چونکہ نشأۃ ثانیہ کے منکر ہوتے ہیں اسوا سے
خود غرضی کے انتہائی درجہ پر پہنچ جاتے ہیں۔ اب اگر قوم تباہ ہو یا
ملک غلامی میں گرفتار ہو جائے یا ساری دنیا تباہ و برباد ہو جائے
کوئی مرے یا جئے ان کی بلا سے جس قوم میں یہ "مصلحین" پیدا ہو جائیں
اگر وہ تباہ ہو یا شرف و عزت کے رتبہ سے گر کر ذلت و خواری میں
گرفتار ہو تو کیا تعجب ہے۔ نیچری تعلیمات کا ہمیشہ یہی نتیجہ برآمد
ہوا ہے۔ اب میں چند تاریخی واقعات سے اس کی توضیح کرتا ہوں۔

نیچریوں کی تباہ کاریاں

یونان میں

یونانی باوجودیکہ قلیل التعداد تھے۔ لیکن اعتقاد ثلاثہ خصوصاً اس
اعتقاد کے باعث کہ یہ قوم کل اقوام عالم سے زیادہ شریف اور زیادہ
معزز ہے۔ اور عار و ننگ کے سبب جو عین حیا یا حیا کا اولین نتیجہ
ہے۔ مدتوں علوم و فنون کے مالک بھی رہے۔ اور فارس جیسی
زبردست سلطنت کے مقابلہ میں (جن کی حکومت کی وسعت کاشغر
سے لیکر قسطنطنیہ کے کنارے تک پھیلی ہوئی تھی) عرصہ دراز تک ڈٹے
رہے۔ اور اس عار و ننگ کے مارے کہ کہیں غلامی و ذلت میں مبتلا
نہ ہو جائیں ایسے جم کر لڑے کہ آخر نہ صرف فارس کی زبردست قوم کو تہ و
بالا کیا۔ بلکہ وہاں سے گزر کر ان کا بے پناہ سیلاب ہندوستان
تک پہنچ گیا۔

یونانیوں میں امانت اس درجہ تھی کہ موت کو خیانت پر ترجیح دیتے تھے۔ چنانچہ جب ارتگزرکسس ایرانی نے تھومستو کلس یونانی کو حکم دیا کہ فارس کا لشکر لیکر یونان پر چڑھائی کرو۔ تو وہ زہر کھا کر مرگیا اور اپنی قوم سے خیانت کا روادار نہ ہوسکا۔ حالانکہ یونانیوں نے خدمات جلیلہ کے باوجود جو اس نے فارس کے خلاف اپنی قوم کی سرانجام دی تھیں۔ اسکو جلا وطن کردیا تھا۔ اور ناچار ہوکر یہ فارس میں پناہ گزیں ہوا۔ (دیکھو تاریخ یونان)۔

لیکن جب ایپکورا اور اسکے متبعین علما کے نام سے یونان میں پیدا ہوئے اور نا تورازم یعنی دہریت کی اشاعت کی۔ اور انکار صانع کے بعد (جسکا ذکر آئندہ آئیگا) یہ خیالات لوگوں میں پھیلائے کہ انسان غرور و نخوت کے باعث یہ گمان کرتا ہے کہ یہ دنیا میں اشرف المخلوقات ہے۔ دنیا میں جو کچھ موجود ہے وہ اسکے واسطے ہے یہ بھی انسان کا جنون ہے کہ اس جہان کے علاوہ ایک اور نورانی جہان کا معتقد ہو گیا ہے جسکو اس جہان سے اعلیٰ وارفع اور مقدس سمجھتا ہے۔ یا یہاں سے انتقال کے بعد وہاں کے گوناگون انعامات سے سرفراز ہونے کی امید لگائے بیٹھا ہے۔ یہ خواہ مخواہ کل کی امید پر آج کے انعامات سے محروم اور رسوم کی قید و بند میں پھنسکر فوائد دنیا سے باز رہتا ہے۔ انسان کو نہ کسی حیوان پر شرف ہے نہ فضیلت۔ بلکہ اپنی فطرت کی رُو سے کل حیوانات سے ناقص اور پست تر ہے۔ یہ جو مختلف صنائع و حرف پر مغرور ہے یہ در اصل دوسرے حیوانات سے سیکھی ہیں۔ مثلاً بافنت مکڑی سے۔ تعمیر شہد کی مکھی سے۔ مکانات

و محلات مفید چیونٹی سے۔ اذ خار ذخائر چیونٹی عام چیونٹی سے۔ موسیقی بلبل سے سیکھی ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس دوسری تمام صنائع بھی حیوانات سے حاصل کی ہیں۔ پس اسکو اپنے علم و ہنر پر مغرور نہ ہونا چاہیئے۔ بلکہ اسکی زندگی گھاس پھونس کی طرح ہے۔ اس جہان کے علاوہ اور کوئی زندگی نہیں انسان عبث تکالیف و مشقت کے بار گراں کو اپنے سر پر لیتا اور نا قدرتی کے خلاف ہر قسم کی لذات سے اپنے کو محروم کرتا ہے۔ اسکو چاہیئے کہ جس طرح ممکن ہو ان لذات سے مستفید ہو۔ حلال و حرام کے قصے اور جائز و ناجائز کے فسانے چھوڑ دے۔ یہ تمام انسان کے بناوٹی قوانین ہیں۔ اسطرف توجہ نہ کرے''۔

اپکیوریوں نے دیکھا کہ جب تک انسان میں صفت حیا موجود ہے انکی تعلیم مؤثر نہیں ہو سکتی لہذا حیا کی بیخکنی کی جد و جہد شروع کر دی۔ اور یہ کہنا شروع کیا کہ شرم و حیا ضعف دل کا نام ہے۔ انسان کو چاہیئے کہ اس مرض کو دور کرے۔ دل کو اتنا قوی کرے کہ ہر وہ چیز جس کو لوگ قبیح جانتے ہیں علانیہ اسکے ارتکاب سے کوئی حجاب محسوس نہ ہو۔ چنانچہ آخرش انہوں نے یہی کیا کہ شرم و حیا کو بالائے طاق رکھکر جہاں دسترخوان بچھا دیکھتے ناخواندہ وہاں پہنچ جاتے۔ یہانتک کہ لوگ ان سے تنگ آ گئے۔ اور ان نئی روشنی کے حکما کو کتوں کی طرح دھتکارتے اور مار مار کر دور کرتے پھر بھی یہ انسان صورت کتے دور نہ ہوتے اور المال مشاع بین الکل[1] کا نعرہ لگا کر دسترخوان پر ٹوٹ پڑتے۔ اس گروہ کو کلبی کہا جاتا جس کی ایک وجہ تسمیہ[2] یہ بیحیائی بھی ہے۔

[1] یہ مال سب کا شریک ہے [2] ایک وجہ یہ بھی لکھی ہے کہ اس گروہ کا سردار دیوجانس کلبی تھا جس نے بول و براز اور مباشرت علانیہ شروع کر دی تھی۔ لوگوں نے اس بیحیائی پر اسکو کلبی کہنا شروع کر دیا تھا

مدت دراز کے بعد کلبیین کی تعلیمات فاسدہ نے یونانی قوم میں تاثیر کردی جس سے عقلیں کند ہوگئیں۔ علم و ہنر کا بازار سرد ہوگیا اخلاق بگڑ گئے۔ شرافت رذالت میں تبدیل ہوگئی۔ امانت کی جگہ خیانت نے لی۔ شجاعت کی جگہ بزدلی۔ شرم وحیا کی جگہ بے حیائی و بے شرمی آگئی۔ حب وطن وحب قوم کے اوصاف گم ہوگئے۔ حب نفس و خود غرضی کا عام چرچا ہوا۔ الغرض اجتماع انسانی کے ارکان ستہ گر گئے۔ اور انسانیت کی قصر رفیع منہدم ہوگئی۔ عزت و آبرو خاک میں مل گئی۔ آخر جو قوم مدتوں تک جاہ وجلال کے پُرشوکت تخت پر متمکن رہی "سصاحین" کی تعلیم فاسدہ کے کارن رومیوں کی غلامی میں زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوگئی۔

نیچریوں کی تباہ کاریاں فارس میں

فارسی ایسی قوم تھے کہ اجتماع انسانی کے ستہ ضروریہ میں درجہ اعلیٰ پر پہنچی ہوئی تھی۔ یہ شرافت اور عزت کو صرف اپنی قوم کا حصہ جانتے۔ یا اس قوم کو شریف کہتے جو ان کی حمایت میں رہکر یا ہمسائگی کے طفیل یہ جوہر حاصل کرچکی ہو۔ صداقت انکے مذہب کی اولین تعلیم تھی۔ یہاں تک کہ اگر کوئی محتاج ہوجاتا تو قرض نہ لیتا کہ مبادا ادائے قرض میں کہیں ناچار ہوکر جھوٹ کہنا پڑ جائے۔ ان عقائد و خصائل کے باعث ان کی حکومت اس درجہ ترقی پر تھی کہ جسکے بیان کے واسطے ایک

شاہنامہ چاہئے۔ فرانسیسی لزبان مورخ کہتاہے کہ دارائے اعظم کے عہد حکومت میں سلطنت ۲۱ صوبوں پر مشتمل تھی۔ ایک صوبہ کی وسعت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ مصر بمع تمام سواحل قلزم اور بلوچستان و سندھ ملاکر ایک صوبہ تھا۔ اگر کسی وقت سلطنت میں شورش برپا ہوجاتی تو فوراً دور ہوجاتی۔ کیونکہ اصول معاشرت انکی عادت میں داخل تھے۔ جنکی وجہ سے مادہ فساد جلدی ہٹ جاتا۔ آخر کار مزدک نیچری دافع ظلم ورافع جور کے نام سے ان میں پیدا ہوا۔ اسکی تعلیم تھی کہ تمام قوانین اور تمام اصول جو انسان نے وضع کیئے ہیں یہ جور اور ظلم پر مبنی ہیں۔ اور سب کے سب باطل ہیں۔ اصل قانون نیچر ہے۔ انسان نے اپنی غلط کار عقل سے اسکو منسخ کردیا ہے لیکن حیوانات میں ابھی تک اصل شکل میں موجود ہے۔ نیچر کے مقابل کسی عقل و دانش کی کوئی وقعت نہیں۔ نیچر نے تمام کھانے پینے اور استعمال کی اشیاء مشترک پیدا کی ہیں تاکہ ہر شخص مساوی طور پر کام میں لائے۔ انسان کو کیا حق ہے کہ اپنے توہمات کی بناء پر جسکو یہ قوانین کا نام دیتا ہے مال مشترک کو کسی ایک کے واسطے مخصوص کردے۔ اور ماں بہن بیٹی سے خود محروم ہوکر اغیار کے سپرد کردے یا اسکے کیا معنے کہ ایک شخص مال مشترک کو اپنے قبضہ میں لاکر اس پر ملکیت کا دعوے کرے۔ یا ایک عورت کو قابو میں لاکر خود تنہا نفع اٹھائے اور دوسروں کو منع کرے۔ ایسے قانون میں کیا حقانیت دھری ہے کہ غاصب لوگ مال مشترک کو غصب کرکے صاحب حق بنجائیں اور جو بیچارہ اس میں سے اپنا حق لینا چاہے الٹا اسکو ڈاکو۔

چور۔ غاصب۔ خائن کا لقب دیں۔ پس شخص پر لازم ہے کہ ان ظالمانہ قوانین کی زنجیر کو اور تمام انسانی عقل کی بنائی ہوئی قیود کو اپنی گردن سے اُتار پھینکے۔ اور "شریعت مقدسہ نیچر" کے مطابق تمام اموال و عورات سے اپنا حق جس طرح ممکن ہو حاصل کرے۔ غاصبین کو جبراً غضب و جور جیسے ناشائستہ افعال سے روکے۔

جب ایران میں ان عقائد باطلہ کا رواج ہو گیا تو غیرت و حیا رخصت ہو گئے۔ فریب و دغابازی۔ رذالت و فرومائیگی ہنر سمجھا گیا۔ حیوانی جذبات سے مغلوب ہو کر مزاج بگڑ گئے۔ انوشیروان نے اگرچہ مزدک اور اسکے کئی پیرووں کو قتل کر دیا لیکن جو زہر قوم کے اخلاق میں سرایت کر چکا تھا اسکا علاج نہ ہو سکا۔ یہی وجہ تھی کہ عربوں کے ایک حملہ کی تاب بھی ایران نہ لا سکا حالانکہ انکی ہمعصر و ہمسر قوم یعنی رومی مدت تک عربوں سے لڑتی رہی۔

نیچریوں کی تباہ کاریاں مسلمانوں میں

مسلمان ایسی قوم تھی جو اپنے مذہب حقہ اور شریعت سماویہ کے باعث عمدہ عقائد اور اعلیٰ اخلاق کی مالک تھی۔ ان میں مدنیت کے شش گانہ ارکان نہایت مضبوط تھے۔ اسی خوش اخلاقی اور مذہبی عقیدتمندی کے سبب سے ایک صدی کے اندر اندر کوہ الپس سے لیکر دیوار چین تک تمام ممالک کے متصرف و مالک ہو گئے۔ قیصر و

اور کسراؤں کے پُر غرور سر بعد عجز و نیاز انکے سامنے خم ہو گئے اخلاق میں وہ کشش مقناطیسی تھی جس نے قلیل عرصے میں قریباً دس کروڑ غیر مسلمان جذب کر کے اسلام کے حلقہ بگوش بنا دیئے۔ ...ھ تک مسلمانوں کی عزت و آبرو برقرار رہی۔ اسکے بعد مصر میں اہل باطن اور صاحب سر کے نام سے نجومیوں کا ایک فرقہ پیدا ہوا۔ جس نے تمام اسلامی ممالک خصوصاً ایران کے اطراف و اکناف میں داعی روانہ کئے۔ داعیین کیلئے ضروری شرط تھی کہ مکر و فریب میں مہارت خصوصی رکھتے ہوں اور علمائے اسلام سے ہمیشہ فریبانہ چال چلیں۔

فرقہ باطنیہ نے جب دیکھا کہ شریعت مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام نے تمام مسلمانوں کے قلوب کو نور ایمان سے منور کیا ہوا ہے اور علمائے اسلام اپنے وسیع علم و فضل کے باعث بڑی ہشیاری سے مسلمانوں کے اخلاق اور عقائد کی حفاظت کر رہے ہیں۔ آسانی سے یہ قوم قابو میں آنے کی نہیں پس اُنھوں نے اپنے عقائد باطلہ کی اشاعت میں نہایت فریبانہ اور تدریجی طریقہ اختیار کیا۔ اپنی تعلیم کی بنیاد یوں رکھی کہ اولاً مسلمانوں کے عقائد کو متزلزل کر دیا جائے۔ جب عقیدۃً تشکیک پیدا ہو جائے۔ تو ان سے ایک عہد و پیمان لیا جائے اور آخر مرشد کامل کی خدمت میں پیش کیا جائے۔

اس طریقہ سے جب کسیکو پھنسا کر مرشد کامل کی خدمت میں پیش کرتے تو وہ سب سے پہلے یہ تعلیم دیتا کہ بیٹا! ظاہری اعمال از قسم صوم و صلوٰۃ اس شخص کے واسطے ضروری ہیں جو حق تک نہ پہنچا ہو۔ حق سے مراد مرشد کامل ہے۔ جسکے پاس تو اب پہنچ آیا ہے۔ پس تو اعمال ظاہری سے

نجات پاگیا۔ جب اعمال سے معافی ملجاتی تو بعد میں یہ تعلیم دیتا کہ عقائد و
خصائل ناقص اشخاص کیواسطے بطور دعا کے مقرر کئے گئے ہیں۔ کیونکہ
ناقص لوگ خود بمنزلہ بیمار کے ہوتے ہیں۔ اور تو چشم بد دور اب کامل
ہوگیا۔ پس تمام قیودات سے نکل کر اباحت کے وسیع میدان میں قدم رکھ
حلال و حرام۔ امانت و خیانت۔ صدق و کذب۔ فضیلت و فضیحت کے
جھگڑوں کی تجھے ضرورت نہیں رہی۔ جب اباحت کی منزل بھی طے ہو جاتی
تو اسکو یہ تعلیم دیجاتی کہ اگر خداوند تعالیٰ موجود ہے تو موجوات کی مانند ہوگا
اور اگر معدوم ہے تو معدومات کے مشابہ ہوگا۔ خداوند تعالیٰ مثل اور
مشابہ سے پاک ہے پس وہ نہ موجود ہے نہ معدوم۔ مطلب یہ کہ
اسم کا اقرار اور مسمیٰ کا انکار۔ اس طریقہ سے مسلمانوں میں دہریت کی
تعلیم مدت تک پھیلاتے رہے۔

جب عرصہ دراز تک مسلمانوں میں یہ تعلیم جاری رہی تو آخر علمائے
اسلام اور امرائے ملت اس فساد سے مطلع ہوکر مقابلہ پر آمادہ ہوگئے۔
فرقہ باطنیہ نے دیکھا کہ مقابلہ مشکل ہوگا لہٰذا اپنے مسلک کے سد راہ
سمجھکر ہزارہا علمائے اولیاء اللہ اور امراء اسلام کا خون خفیہ طور پر بہایا گیا
انکے فدائی ہزاروں طریقوں سے پوشیدہ جاکر مخالفین کو شہید کر دیتے
بعض نے ان میں سے موقعہ اور قوت پاکر قلعہ الموت کے ممبر پر
علانیہ کہنا شروع کر دیا کہ قیام قیامت کے وقت تمام اعمال و عقائد
اُٹھائے جائینگے۔ قیام قیامت سے مطلب ہے کہ قائم بالحق ظاہر ہو جائے
سو ہم میں قائم بالحق ہوں۔ اب لوگوں سے اعمال و عقائد کی تکلیف
اُٹھادی گئی ہے۔ غرض ان احکام کے سننے والین نے مسلمانوں کے

اخلاق ایسے ایسے حیلوں اور فریبوں سے تباہ و برباد کر دیئے۔ جب عقائد میں تزلزل آگیا تو شجاعت و بسالت کی جگہ بزدلی و جبن نے دلوں پر قبضہ کیا۔ امانت و صداقت کم ہو کر خیانت و دروغگوئی کا شعار بنگیا۔ حب اسلام کی جگہ حب نفس کے دلدادہ ہو گئے۔ یہی وجہ تھی کہ سنہ ھ میں یورپ کے ڈاکوؤں اور لٹیروں نے شام کے اسلامی ملک پر حملے کیئے اور ہزار ہا بستیوں کو ویران کر کے چھوڑا۔ لاکھوں مسلمانوں کے خون بہائے گئے۔ دوسو سال تک مسلمان ان سے پٹتے رہے۔ اور کوئی صورت نجات نہ ملی۔ حالانکہ قبل ازیں یہی یورپ تھا جو اپنے ملک میں مسلمانوں کے خوف کے مارے امن و چین سے نہ بیٹھ سکتا تھا۔

اسی طرح چنگیز خان کے اوباشوں نے اسلامی ممالک ویران کر کے ہزار ہا شہر تباہ کیئے۔ اور لاکھوں انسانوں کو تہ تیغ کیا۔ اور مسلمانوں کو توفیق نہ ہوئی کہ اس بلا سے جان چھڑائیں۔ حالانکہ ابتدائے اسلام میں قلیل التعداد ہونے کے باوجود دیوار چین کے ممالک ان کے گھوڑوں کی ٹاپوں تلے روندے گئے تھے۔ یہ تمام ذلتیں اور خرابیں مسلمانوں پر اسوقت نازل ہوئیں۔ جب اخلاق حمیدہ مفقود اور دروغگوئی خیانت کاری۔ کاہلی۔ کم ہمتی۔ بزدلی جیسے اخلاق رذیلہ ان میں رواج پا گئے۔ جو نیچری تعلیم کا نتیجہ تھے۔

لیکن اس وقت تک مسلمانوں کے قلوب سے اخلاق نبویہ بالکلیہ مفقود نہیں ہوئے تھے۔ لہذا بڑی کوشش اور جدو جہد سے مدت مدید کے بعد ملک شام کو فرنگیوں سے آزاد کرالیا۔ اور چنگیزی بھی مشرف باسلام

ہو گئے۔ تاہم مسلمانوں کی کمزوری دور نہ ہو سکی۔ اور ابتدائی عروج و غلبہ پھر میسر نہ ہوا۔ کیونکہ وہ اخلاق اور وہ عقیدتمندی پھر نصیب ہی نہ ہوئی۔ عام ارباب تاریخ مسلمانوں کے انحطاط کا زمانہ حروب صلیبیہ سے لیتے ہیں۔ لیکن مناسب یہ تھا کہ اس تعلیم فاسدہ کے وقت سے لیتے کیونکہ انحطاط کا اصلی سبب یہی ہے۔

یہ بھی واضح ہو کہ بابی فرقہ جو پچھلے چند سال سے ایران میں پیدا ہوا اور جس نے ہزاروں بندگان خدا کا خون ناحق بہایا ہے۔ یہ بھی الموت کے باطنی فرقہ کا بروز ہے۔ ان کی تعلیم باطنیوں سے ملتی جلتی ہے۔ اب یہ دیکھنا باقی ہے کہ آئندہ ایرانی قوم میں ان کی تعلیم کا کیا اثر ظاہر ہوتا ہے۔

نیچریوں کی تباہ کاریاں

فرانس میں

ملت فرانس ایک ایسی بے نظیر قوم تھی کہ اجتماع انسانی کے سنتہ ضروریہ اصول کے باعث سلطنت روما کے بعد کل یورپ میں علم و دانش اور تہذیب و تمدن کا علم بلند کر کے تمام یورپی اقوام کی رہنما بنی ہوئی تھی۔ اور یورپ کے ہر معاملہ میں اسکا بول بالا تھا۔ آخر ۱۸ء میں دلیٹر اور راسو نام دو نیچری راجح الخرافات منور العقول کے پردہ میں نمودار ہوئے۔ جنہوں نے اپیکورکلبی کے گڑے مردہ کو اکھیڑ کر نا تورازم کی بوسیدہ ہڈیوں میں از سر نو جان ڈالی۔ اعمال کی تکلیف

اُٹھادی اور اباحت واشتراک کا تخم فساد عوام کے مزرع دل میں بویا گیا آداب معاشرت کو خرافات اور مذہب کو انسانی توہمات کہنے لگے۔ اُلوہیت کا علانیہ انکار کیا۔ انبیاء علیہم السلام کو گالیاں دیں۔ والیٹر نے انبیاء کے ذم اور توہین اور انکی تعلیم کی تغلیط اور تمسخر پر کئی کتابیں تالیف کیں۔ اس بیہودہ اور باطل تعلیم کا اثر فرانسیسی قوم پر نہایت بُرا پڑا۔ چنانچہ روایات عیسوی بالکل چھوڑ بیٹھے اور اباحت کے دروازے کھولدیئے۔ یہانتک کہ ایک دن ایک خوبصورت لڑکی کو لیکر گرجا کے محراب میں کھڑا کر دیا۔ اور نیچریوں کے پیشوا نے لوگوں کو مخاطب کر کے کہنا شروع کیا کہ :۔

”حاضرین! آجکے بعد یہ خیال چھوڑ دو کہ عوارضات سماوی و ارضی کا کوئی خالق بھی ہے۔ بلکہ یہ سب اشیاء از قسم رعد و برق اور باد و باران ناتور کے آثار ہیں۔ تم توہمات کے پیچھے پڑ کر کسی ان دیکھے معبود کی پرستش کیوں کرتے ہو۔ اگر عبادت کا شوق ہی ہے تو یہ لو مادم ابزل جو گرجا کے محراب میں خوشنما لعبت عاج کی طرح کھڑی ہے اسکی پرستش کرو۔“

ان دونوں نیچریوں کی تعلیم فاسد کے اثر سے اولاً فرانس میں مشہور شورش برپا ہوئی۔ پھر اخلاق و خیالات میں تشتت اور افتراق پیدا ہو کر ہر گروہ اپنی اغراض کے مطابق ڈیڑھ اینٹ کا گرجا جدا بنانے لگا اور ہر ایک اپنی مخصوص خواہشات میں کوشاں ہو گیا۔ قومی و ملی مفاد سے غافل ہو گئے۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ انکی قومی سطوت و جبروت جو مشرق اور مغرب دونوں پر چھائی ہوئی تھی۔ رو بزوال ہونے لگی۔

نپولین اول نے اگرچہ مسیحی روایات کو زندہ کیا۔ لیکن عوام کے دلوں سے فرقہ بندی کا زہر پوری طرح دور نہ ہوسکا۔ جسکے سبب جرمنی سے ایسی شکست کھائی کہ مدت مدید تک اسکی تلافی نہ ہوسکی۔ علاوہ اس شکست کے ان میں سولیاسٹ کے نام سے ایک فرقہ ایسا پیدا ہوا جسکے نقصانات شکست جرمنی سے بھی زیادہ مضرت رساں ثابت ہوئے (دیکھو جنگ جرمنی وفرانس) اگر ارباب حکومت انکا تدارک نہ کرتے تو انہوں نے اپنے اغراض مشمومہ کے اجراء میں فرانس کو تہ و بالا کر دیا ہوتا۔

نیچریوں کی تباہ کاریاں
ترکوں میں

یہ بھی واضح ہو کہ ملت عثمانیہ کی موجودہ دردناک حالت کا سبب بھی یہی نیچریت ہے۔ جو بعض امراء میں سرایت کر گئی تھی خصوصاً اس آخری[1] جنگ میں جن افسران عسکری نے خیانت کی تھی۔ یہ وہی لوگ تھے جو روشن خیالی اور نیچریت کا دم بھرتے تھے۔ یعنی نیچریت کی تعلیم نے ان کے ذہن نشین کر دیا کہ انسان دوسرے حیوانات کی طرح ایک حیوان ہے اخلاق و غلاق کوئی شرافت نہیں۔ بلکہ یہ پابندیاں نا تو تر کے خلاف اور انسانی ڈھکوسلے ہیں۔ انسان کو جملہ لذات سے بہرہ اندوز ہونا چاہیئے۔ مرنے کے بعد رسومات و عادات کس کام کی اور حیا و شرم یا امانت و

[1] سنہ ۱۸۷۸ء میں جو جنگ روس اور ترکی میں ہوئی تھی۔

صداقت کس مصرف کی۔ پس ان بدبختوں نے باوجودیکہ جلیل القدر مناصب پر سرفراز تھے قوم سے غداری کر کے چند روپلی تھیلیوں کے عوض عثمانیوں کی صدہا سال کی عزت و شرافت کو خاک میں ملا دیا۔

نیچریوں کے موجودہ تین فرقے

زمانہ حال کے سوشیالسٹ۔ کمونسٹ۔ نہلسٹ یعنی اجتماعیین اشتراکیین۔ عدمیین جو اپنے آپ کو محب الفقراء والضعفاء ظاہر کرتے ہیں۔ اگرچہ یہ تینوں اپنے اپنے مقاصد کو مختلف عنوانات سے بیان کرتے ہیں۔ لیکن انجام کے لحاظ سے سب کا مقصد ایک ہے۔ وہ یہ کہ کل امتیاز و خصوصیات کو ہٹا کر مزدک کی طرح سب ماکولات و مشروبات و مستعملات کو شریک کر دیں۔ انہوں نے بھی حصول مدعا کے لئے بے شمار خونریزیاں کیں اور فسادات برپا کئے۔ ہزارہا عمارات کو جلا کر خاکستر کر ڈالا۔ انکا دعوی ہے کہ روئے زمین کی تمام لذات و انعامات نیچر کا مشترکہ فیض ہے۔ پس کسی شخص کو یہ حق نہ ہونا چاہئے کہ کسی چیز کو اپنے لئے مخصوص کر دے۔ بلکہ یہ عطیہ نافورتمام انسانی برادری میں مشترک ہو۔ "شریعت مقدسہ نیچریہ" کے ان احکام کے اجرا میں مذہب اور حکومت بھاری رکاوٹ ہے۔ لہذا ان دونوں کو نیست و نابود کر دینا چاہیئے۔ مذہبی پیشواؤں کو۔ بادشاہوں کو اور ہر اس شخص کو جو احکام نیچر کے خلاف اموال مشترکہ کو مخصوص کرے اور ان پر مخصوص حق جمانا چاہے تہ تیغ کر دو تاکہ اشاعت "شریعت مقدسہ نیچریہ" میں کوئی سدراہ نہ ہو۔ اور کسیکو سرکشی اور نافرمانی کی جرأت نہ رہے۔

اس بدمسفریق نے جب اپنی تعلیم فاسدہ کی اشاعت کا ذریعہ نہ کچھ پایا تو مکاتب[1] و مدارس تاسیس کئے یا معلمی کا پیشہ اختیار کیا ہو مختلف مدارس میں ملازمت کر لی۔ آہستہ آہستہ اپنے خیالات ذہیمہ کو معصوم بچوں کے ذہن نشین کرتے رہے جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ انکے بہجیاں بکثرت پیدا ہو گئے۔ یہ طاعونی جراثیم یورپ کے مختلف ممالک خصوصاً مدارس میں زیادہ پھیل گئے۔ اگر انہوں نے قوت حاصل کر لی تو نوع انسان کے واسطے یہ نہایت خطرناک ثابت ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ انکے شر سے محفوظ رکھے۔

ناتوریوں کا وہ گروہ جو اول انگلستان میں تھا وہ پھر سرزمین امریکہ کی طرف ہجرت کر گیا۔ اس نے نیچر سے "الہام" پا کر یہ تجویز کی کہ نیچر کی نعمتہائے عظمے یعنی اباحت واشتراک سے وہی شخص فیضیاب ہو جو اس پر ایمان لائے۔ لہذا انہوں نے دو انجمنوں کی بنیاد رکھی۔ ایک "انجمن مؤمنین" دوسری "انجمن مؤمنات"۔ اور حکم نافذ ہوا کہ ہر مومن ہر مومنہ پر پورے تصرف و اختیار کا مالک ہے۔ چنانچہ اگر کسی مومنہ سے پوچھا جائے کہ تو کسکی بیوی ہے؟ یا انکی اولاد سے پوچھا جائے کہ تو کسکا فرزند ہے تو جواب میں کہتے ہیں "انجمن کا"۔ ابھی تک اس آتش کے شعلے انجمن کے دوزخ

---

[1] کسی قوم کے خیالات میں تبدیلی کرنے کے واسطے مدارس نہایت موثر ذریعہ ہیں اکبر مرحوم نے جب موجودہ مدارس کے تاریک پہلو پر نظر کی اور قومی روایات کو مٹتے دیکھا جنکے مٹنے سے کوئی قوم تباہ ہو جایا کرتی ہے تو نہایت لطیف پیرایہ میں مدرسوں اور کالجوں کو ذبح اطفال سے تعبیر کیا۔ فرماتے ہیں ؎

یوں قتل پہ بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

باہر نہیں نکلے لیکن خدا ہی جانتا ہے کہ یہ چنگاری کب بھڑک کر انسان کے خان ومان کو جلا کر بھسم کرے گی۔

نیچریوں کا وہ فرقہ جو مہذب ہمدرد قوم۔ خیر خواہ ملت کے لباس میں ظاہر ہوا ہے یہ دراصل شریک دزد اور رفیق قافلہ ہے۔ یہ ایسے لوگوں کے پاس جاکر جو عقل کے اندھے گانٹھ کے پورے ہوتے ہیں اپنی علمیت اور روشن خیالی کی ڈینگیں مارتے ہیں۔ علمی اصطلاحات کے چند الفاظ یاد کرکے پھولے نہیں سماتے اور کبر و غرور سے مونچھوں کو تاؤ دیتے ہیں۔ باوجود جاہل ہونے کے بڑے مکر و فریب سے اپنے آپ کو قوم کا ہادی و رہنما اور باوجود اخلاق ذمیمہ کے مہذب اور شائستہ کہلاتے ہیں دراصل یہ فریب باز ہیں اور خیانت کا ایک نیا ڈھنگ ایجاد کیا ہے ان کے نزدیک علم و دانش اور تہذیب و شائستگی اسکا نام ہے کہ مکر و فریب سے لوگوں کا مال ہضم کیا جائے۔ انکے اغراض و مقاصد نہایت پست ہیں۔ یہ اپنی شکم پری کے واسطے قومی بنیاد اکھیڑتے اور ملی شیرازہ اُدھیڑتے ہیں۔ ان کے خیالات از حد تنگ ہیں۔ بلکہ بطن نیچریت میں ابھی بصورت جنین ہیں۔ جہاں قلم کو حرکت کی تاب نہیں۔ ایسے لوگوں کے ذکر سے مجھکو شرم محسوس اور خجالت دامنگیر ہوتی ہے۔ چہ جائیکہ میں ان کو مخاطب کروں۔ البتہ اتنا کہہ سکتا ہوں کہ دوسروں کے پڑھائے سکھائے ہوئے ہیں۔ باقی ناظرین خود سمجھ لیں۔

خلاصہ

جو کچھ اوپر ذکر ہوا اُس سے ہر شخص کو بخوبی معلوم ہو گیا کہ نیچری جس قوم

میں پیدا ہوئے ہزارہا مکروفریب سے اپنی بیہودہ تعلیم کو پھیلا کر عوام الناس کے اخلاق کو تباہ اور انکی عزت و آبرو کی بنیاد کو کھوکھلا کیا۔ خیانت۔ دروغگوئی۔ سستی اور شہوت رانی کو رواج دیکر آہستہ آہستہ قوم کو صفحہ ہستی سے مٹایا۔ یا غلامی اور ذلت کی زنجیروں میں گرفتار کرایا۔

حفظ حقوق کے ذرائع

بعض نیچری ایسے ہوتے ہیں کہ اپنے اصل مقصود یعنی اباحت و اشتراک کو مخفی رکھکر صرف انکار الوہیت پر اکتفا کرتے ہیں لیکن واضح ہو کہ یہ عقیدہ تنہا اجتماع انسانی اور مدنیت کے ارکان ستہ کو تباہ کرنیکے واسطے کافی ہے۔ بلکہ اخلاق کے بگاڑنے میں یہ سب سے زیادہ مؤثر ہے۔ کیونکہ ناممکن ہے کہ ایک شخص دھریہ ہو کر مہذب الاخلاق۔ دیانتدار۔ راست گو صاحبِ مروت و احسان ہو سکے۔

چونکہ ہر شخص کی سرشت اور خلقت میں خواہشات ہوتی ہیں۔ اور دنیا میں مشتہیات (جنکی خواہش کی جاتی ہو) بھی موجود ہیں۔ انسانی خواہشات تقاضا کرتی ہیں کہ سعی و کوشش کر کے مشتہیات کو حاصل کرے۔ اور اپنی نفسانی پیاس کو ٹھنڈا کرے۔ چاہے ان کے حصول میں خونریزی غصب شر و فساد کرنا پڑے۔ یا انکے ارتکاب کئے بغیر دستیاب ہوں۔ پس اس سعی و کوشش کو غیر معتدل حرکات سے روک کر انسان کو ایسی خواہشات پر قانع کرنا جو اسکا حق ہو۔ اور ظلم و تعدی سے روکنا مفصلہ ذیل چار وجوہات میں سے کسی ایک سے وابستہ ہوگا۔

۱۔ ہر شخص اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے مسلح ہو کر شب و روز کھڑا ہے
۲۔ شرافت نفس ظلم سے باز رکھے جیسے کہ دھرلے دعوے کرتے ہیں۔
۳۔ حکومت۔
۴۔ یہ عقیدہ کہ ایک ذات دانا و بینا، خالق و مالک ہے، اور نیک و بداعمال کی جزا و سزا معین ہے جو مابعد الموت بھگتنی پڑتی ہے۔
مختصر یہ کہ مذہب۔
۱۔ اگر پہلی صورت اختیار کی جائے تو لازماً اتنی خونریزی ہوگی کہ کوہ و دشت انسانی خون سے لالہ زار بن جائینگے۔ ہر قوی ضعیف کو پیس کر رکھدیگا۔ یہاں تک کہ آخر بنی نوع انسان صفحہ ہستی سے محو ہو جائے۔
۲۔ شرافت نفس ایسی صفت ہے کہ انسان اپنے خاندان اور قبیلہ میں رہکر اسکے سبب سے ایک حد تک اعمال ذمیمہ سے اجتناب کریگا۔ لیکن خبیس النفس شخص پھر بھی کسی طعن و تشنیع سے ہرگز متاثر نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں یہ بھی واضح ہو کہ شرافت کا معیار مختلف اقوام میں مختلف ہے۔ دیکھو کئی امور ہیں جنکا ارتکاب ایک قوم کے نزدیک رذیل ہے لیکن یہی کام دوسری قوم میں شرافت ہے اور تحسین و آفرین کے لائق ہے۔ چوری۔ رہزنی۔ لوٹ کھسوٹ۔ قتل غارتگری پہاڑی اقوام میں ہنر اور شرافت نفس ہے۔ لیکن یہی افعال شہری باشندوں کے نزدیک خست اور کمینہ پن ہے۔ اسیطرح حیلہ بازی مکاری۔ منافقت ایک قوم کے نزدیک رذالت اور دوسری کے نزدیک کمال اور ہشیاری ہے۔

یہ امر بھی قابل غور ہے کہ انسان کے تمام افعال اختیاری کی علت غائی نفس انسانی ہے۔ خست سے انسان اسواسطے پرہیز کرتا ہے کہ احباب میں تنفر پیدا ہوکر ذرائع معیشت تنگ یا بالکل مسدود ہوجائینگے۔ اور شرافت اسواسطے اختیار کرتا ہے کہ شرافت و دیانت میں شہرۂ آفاق ہوکر حلقۂ احباب وسیع ہوگا جس سے ذرائع معیشت میں فراوانی ہوگی۔ اور نفس زیادہ آرام و آسائش میں رہیگا۔
پس شرافت کا معیار اور اسکی تاثیرات مختلف طبقات الناس میں مختلف ہوں گی۔ یعنی ہر قوم صرف اتنا قدر شرافت کی پابند ہوگی جتنا اسکی معیشت میں مفید ہو یا اسکے وقار اور وجاہت کی محافظ ہو۔ خصوصاً جب غالب قوام مغلوب قوام سے واسطہ ہوتا ہے تو ایک ہی امر حاکم کے حق میں شرافت اور محکوم کے حق میں خست ہے۔ مثلاً عہد شکنی غالب کے حق میں موقع شناسی اور ہشیاری اور محکوم کے حق میں غدر و کمینگی ہے۔ لطف یہ ہے کہ محکوم خود بھی اس نظریہ کو درست مانتا ہے۔ اسیطرح تمام اعلیٰ طبقہ کا سلوک ادنیٰ طبقہ سے چلا جاتا ہے جسکو دونوں شریفانہ خیال کرتے ہیں۔ وجہ یہی ہے کہ ہر وہ کام جو اعلیٰ طبقہ کی معیشت میں خلل انداز نہ ہو اس کے واسطے شرافت ہے۔ لیکن بعینہ یہی کام ادنیٰ طبقہ میں شرافت کے خلاف ہوگا۔ کیونکہ اسکی معیشت کے ذرائع اس سے مسدود ہوتے ہیں۔ پس شرافت نفس کو کیونکر میزان عدل قرار دیکر ہر شخص اس کے مطابق اپنے حقوق پر قانع اور ظلم و تعدی سے باز رہ سکتا ہے۔

چونکہ کسب شرافت کی غرض و غایت یہی اسباب و ذرائع معیشت کی توسیع ہے جیسا کہ پہلے ذکر ہوا۔ یہی سبب ہے کہ حکومتوں کے مختلف اداروں میں رشوت و خیانت جیسے کام ہوتے ہیں۔ لیکن رشوت خور اور خیانت کار کبھی اپنے آپ کو کمینہ اور خسیس کہلانا پسند نہیں کرتے۔
اگر یہ کہا جائے کہ کسب شرافت کے اسباب میں سے حُبِّ مدح و ثنا بھی ہے۔ پس ممکن ہے کہ ہر شخص اپنی تعریف و ثنا کی خواہش کیواسطے اعلیٰ درجہ کی شرافت کا پابند ہو جائے۔ اور تمام رذائل اور ظلم و تعدی سے ترک جائے۔ اسطرح دنیا سے کل رذائل ختم ہو جائیں اور سلسلہ اجتماع انسانی منظّم بنا رہے۔
اسکے جواب میں میں کہتا ہوں کہ اوّلاً بہت تھوڑے اشخاص ایسے ہوتے ہیں جو شہوات نفسانی پر مدح و ثنا کو ترجیح دیں۔ چنانچہ لوگوں کے حالات پر غور کرنیکے بعد واضح ہو جائیگا۔ ثانیاً یہ کہ حیوان صفت انسان یعنی کاذب شعرا اور فریب باز مورخین ایسے شخص کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتے ہیں۔ جسکے ہاں دولت و ثروت کی فراوانی ہو جاتی ہے اُسکے حصول میں کتنے ہی ظلم اور کیسے ہی رذائل کا ارتکاب کیا ہو۔ پس اکثر اشخاص دولتمند بننے کی کوشش کرتے ہیں اگرچہ ظلم و تعدی یا خیانت اور رذالت سے حاصل ہو تاکہ نفسانی خواہشات بھی پوری ہوں اور کذابوں و مکاروں کے ممدوح بھی بن جائیں بہت تھوڑے لوگ ہوتے ہیں جو صحیح تعریف و ثنا کے طالب ہو کر شرافت نفس کی تحصیل کریں۔ غرض محض شرافت نفس کسیطرح خواہشات کو اعتدال پر رکھنے اور ظلم و تعدی سے بچنے کے واسطے کافی نہیں۔

۳۔ تیسری وجہ حکومت ہے۔ واضح ہو کہ حکومت صرف ظاہری ظلم و تعدی کا تدارک کر سکتی ہے۔ لیکن جو فساد اور ظلم۔ بہتان۔ فریب۔ جعلہ بازی۔ بندگانِ نفس خفیہ طور پر کرتے ہیں حکومت ان کا تدارک ہرگز نہیں کر سکتی کیونکہ ان تمام افعال سے حکومت بے خبر ہوتی ہے۔ اور کوئی ذریعہ حکومت کے پاس نہیں ہوتا کہ ان سے آگاہ ہو۔ علاوہ ازیں حکومت کے افراد بھی تو آخر انسان ہوتے ہیں جو خواہشات انسانی خود بھی رکھتے ہیں۔ جب انکو حکومت ملیگی تو کیا چیز ہے جو ان کو تقاضائے نفسانی سے روکے۔ اور رعیت کے جان و مال کو انکی حرص و ہوا کی آگ سے بچائے اگر کوئی مانع نہ ہو تو یقیناً حاکم علانیہ و خفیہ چوروں اور ڈاکوؤں کی سرپرستی کر کے لوٹ کھسوٹ اور ظلم و تعدی کا موجب ہوں گے۔ مخلوق خدا کے حقوق تلف اور مال و عزت برباد ہوگی۔ حاکم اپنی خواہشات کی پیاس بجھانے کے واسطے ہزار ہا بیگناہوں کے خون بہائیں گے۔ اور اپنے محل و قصور کو بے زبان اور ضعیف رعیت کے خون سے نقش و نگار کرینگے۔

۴۔ پس انسان کو ظلم سے روکنے اور اپنے حقوق پر قانع رکھنے کا اور کوئی ذریعہ نہیں بجز اس عقیدہ کے کہ جہان کا ایک خالق ہے جو دانا و بینا اور ہر نیک و بد افعال کی جزا و سزا دینے والا ہے۔ حق بات یہ ہے کہ یہ اعتقاد انسان کی خواہشات کے اعتدال پر رکھنے اور ہر قسم کے ظلم و تعدی سے روکنے کا مضبوط ترین ذریعہ ہے تمام سکاریوں اور فریب بازیوں کی بیخکنی کا اعلیٰ سد ہے، اس سے حقوق کی حفاظت ہوتی ہے اسکے بغیر دنیا کا امن ناممکن اور اجتماع انسانی اور معاشرت محال ہے۔ معاملات اسکے محتاج اور مدنیت اسکی دست نگر ہیں جو شخص ان عقائد کا پابند نہ ہوگا اسکے دل میں کسب فضیلت کا ولولہ نہ ہوگا

نہ ہی ارتکاب فضیحت سے نفرت ہوگی۔ ایسا شخص ہرگز دیانتدار نہیں ہوسکتا۔ خیانت اور دروغگوئی سے کوئی چیز اسکو نہ روک سکے گی کیونکہ انسان کے افعال اختیاری کی علت غائی نفس انسان ہے جیسا کہ پہلے ذکر ہوا۔ جب ثواب و عقاب کا عقیدہ نہ ہو تو کیا چیز ہے جو انسان کو اخلاق حمیدہ کا پابند اور اخلاق ذمیمہ سے متنفر کرے خصوصاً جب اسکو یہ یقین ہو کہ ارتکاب رذائل سے اسکو کوئی مضرت نہیں یا اکتساب فضائل سے کوئی فائدہ مترتب نہیں ہوگا۔ ایسے شخص سے ہمدردی، رحم، مروت، عفو جیسے امور کی جن پر مدنیت و معاشرت کی بنیاد رکھی ہوئی ہے کیا توقع ہوسکتی ہے۔

ناظرین پر واضح ہوگیا ہوگا کہ نیچریت کی اولین تعلیم ان دو عقائد کی بیخکنی ہے جو تمام مذاہب کے بنیادی پتھر ہیں۔ دوسرے درجہ پر انکی تعلیم اباحت و اشتراک ہے۔ پس یہ ایسے طاعونی جراثیم ہیں کہ اجتماع انسانی کو تباہ اور مذہب و اخلاق، علوم و فنون کو برباد کرتے ہیں۔ یہ قوموں کو ہلاک اور عزت و شرافت کا ستیاناس کرتے ہیں خست و رذالت کے بانی اور دروغگوئی و فریب بازی کے حامی ہیں۔ حیوانیت کے داعی اور انسانیت کے دشمن ہیں۔ انکی محبت "فریب اور دوستی حیلہ بازی ہے انسانیت کا دعوےٰ دام تزویر اور علوم و فنون کی ترویج زین کا ہمرنگ جال ہے۔ یہ امانت میں خیانت کار اور دوستی میں غدار ہیں۔ عزیز ترین دوست کو کوڑیوں میں بیچنے والے ہیں۔ بندۂ شکم اور نفسانی خواہشات کے غلام ہیں۔ حیوانی لذات کے حصول میں خسیس سے خسیس کام کے ارتکاب میں ان کو شرم نہیں۔ ننگ و عار کے نام سے بےخبر ہیں شرافت کو جانتے ہی نہیں۔ اس گروہ میں باپ کو بیٹے پر اور بیٹے کو باپ پر

اعتماد نہیں۔ ماں بیٹی سے بدظن اور بیٹی ماں سے خوف زدہ ہے۔ کیوں نہو۔ نیچریت سے یہی انعام ملیگا۔

باایں ہمہ اگر کوئی شخص انکی سانپ کی سی نرمی اور افعی کے سے نقش و نگار پر دھوکہ کھاجائے۔ اور انکی بیہودہ اور فریب کارانہ باتوں میں آکر یہ خیال کرنے لگ جائے کہ نیچری تہذیب و تمدن کا باعث یا اشاعت علوم و فنون کا سبب ہیں یا مشکلات میں مددگار اور ضرورت کے وقت ہمدرد وغمگسار ہیں تو ایسے شخص کی خوش فہمی پر ہنسنا اور بے تمیزی پر رونا چاہیئے۔

سطور مرقومہ بالا سے ناظرین پر اچھی طرح واضح ہوگیا ہوگا کہ مذہب اگرچہ باطل اور خبیس ترین ہی کیوں نہ ہو۔ ان دو عقائد کے باعث اور نیز اجتماع انسانی کی دوسری ضروریات کے سبب سے جو ہر مذہب میں مانے جاتے ہیں نیچریت اور لامذہبیت سے اچھا ہے۔ کیونکہ ہیئت اجتماعیہ ۔ مدنیت اور معاملات کی کل دینی دنیوی ترقی کا دارومدار مذہب پر ہے۔

چونکہ نظام عالم کی بنیاد ایک اعلیٰ حکمت پر مبنی ہے۔ اور عالم انسانیت بھی اس کل کا ایک جزو ہے۔ پس جب کبھی اس جزو کے نظام میں نیچریت خلل انداز ہونے لگی تو عالم انسانیت میں انکے قلع و قمع کے واسطے جدوجہد شروع ہوجاتی ہے۔ اور اہل مذہب جو نظام عالم انسانی کے نگران و ذمہ دار ہیں ان کی بیخکنی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے خود مزاج انسانی بنابراس شعور کے جو مبداء فیاض سے اسکو عطا ہوا ہے انکی تعلیم سے اثر پذیر نہیں ہوتا۔ اور پلیدی کی طرح اس سے نفرت کرتا ہے یہی باعث ہے کہ باوجودیکہ مدت سے نیچریت دنیا میں نمودار ہوئی۔ اور کئی ارباب جاہ و شوکت نے جو نفس حیوانی کے بندے ہوتے ہیں

اسکی تائید کی لیکن پھر بھی اسکو ثبات اور پائیداری نصیب نہ ہوئی۔ اور نیچری برساتی کیڑوں کی طرح چندروز کلبلا کر آخر فنا ہو گئے۔ اور عالم انسانیت کے واسطے جو چیز ضروری ہے وہ باقی اور پائدار رہی۔ یعنی مذہب۔

جب یہ واضح ہو گیا کہ مذہب انسان کی سعادتمندی کا باعث ہے تو لامحالہ جس مذہب کی بنیاد مضبوط اصولوں پر مبنی ہو گی۔ یہ عالم کی رفاہیت و ترقیات ظاہری و باطنی کا موجب بدرجہ اولی ہو گا۔ اپنے پیروؤں کو اخلاقی اور روحانی کمالات کی رہنمائی کر کے اعلی تہذیب و تمدن کا مالک بنادیگا۔ یہ دونوں جہان میں انکی عزت وآبرو کا سبب ہو گا۔ غور سے مطالعہ کیا جائے تو واضح ہو جائیگا کہ کوئی مذہب ایسے مضبوط اصولوں پر مبنی نہیں۔ جیسا کہ اسلام ہے۔

عروج اقوام کے اسباب

کسی قوم کا ترقی کے اعلی مدارج پر فائز ہونا۔ یا علوم وفنون کے مختلف شعبوں میں کمال حاصل کرنا۔ یا علوم حقہ کے نکات سے کماحقہٗ آگاہ ہونا۔ یا ہر ایسے علوم کی تحصیل کرنا جو ان کی مادی یا معنوی ارتقا کا موجب ہوں۔ یہ چند اصول سے وابستہ ہیں۔

ا۔ اول۔ یہ کہ ہر ترقی خواہ قوم کی عقل توہمات باطلہ کے زنگ سے صاف اور واہیات وخرافات عقائد کی کدورات سے پاک ہو۔ کیونکہ خرافات عقائد انکشافِ حقیقت میں حائل ہو جاتے ہیں۔ توہمات کا معتقد کبھی واقعاتِ حقہ کی جستجو نہیں کرتا۔ بلکہ جب ایک واہیات پر عقیدہ جما تا ہے

تو عقل معطل ہو کر غور و فکر سے انکار کر دیتی ہے۔ ایسا شخص ہمیشہ حقیقت نفس الامری سے دور اور وحشت و دہشت اور خوف و وہم میں گرفتار رہتا ہے۔ حیوانات کی حرکات اور پرندوں کی پرواز سے گھبراتا ہے۔ بادل کی کڑک بجلی کی چمک سے کانپتا ہے۔ فال بینی اور شگون کے گورکھ دھندے میں پھنس کر سعادت سے محروم ہو جاتا ہے۔ اور ہر دجال اور فریب باز سے مرعوب ہو کر گردن جھکا دیتا ہے۔ ایسی تاریک زندگی سے بڑھکر اور کیا شقاوت و سیاہ بختی ہو گی۔

اسلام کا سب سے پہلا رکن توحید ہے جو کل توہمات سے عقل کو جلا دیتی ہے۔ توحید کی اوّلین تعلیم یہ ہے کہ انسان کسی انسان یا درخت یا پتھر یا اجرام سماوی و ارضی میں سے کسی کو خالق رازق یا متصرف نہ سمجھے۔ بغیر صانع حقیقی کے کسی کو عزت و ذلت دینے والا۔ موت و حیات بخشنے والا۔ مانع و معطی نہ جانے۔ یہ خیال بھی نہ کرے کہ خداوند تعالیٰ انسانی جامہ میں ظہور فرما کر اصلاح عالم کا بندوبست کرتا ہے۔ یا کسی مصلحت کے لیے لباس بشری میں نمودار ہوا۔ اور کئی طرح کے دکھ درد برداشت کئے۔ یا اس قسم کے اور کئی لایعنی عقائد جو عقل کو اندھا اور معطل کرنیکے واسطے کافی ہیں۔ اسلام کے سوا موجودہ تمام مذاہب میں ایسے ہی خرافات تسلیم شدہ عقائد ہیں۔

۲۔ قوم کے ہر فرد میں یہ جذبہ موجود ہو کہ بجز از نبوّت جو محض وہبی[۱] امر ہے جو کسب و تحصیل یا سعی و کوشش سے میسر نہیں ہو سکتی دوسرے ہر قسم کے کمالات و فضائل کا مستحق اپنے آپ کو سمجھے۔ ناممکن و مشکل جیسے

---

[۱] خطہ پنجاب کو یہ شرف ہے کہ یہاں "نبوت" بھی اکتسابی ہے۔ (مترجم)

حوصلہ شکن خیالات اسکے دماغ میں جاگزین نہ ہوں۔ جب انسان میں یہ ہمت ہوگی تو میدان مسابقت میں تگ و دو کرکے اعلیٰ درجات پر فائز ہوگا۔ ایسا شخص مادی و روحانی عزت و آبرو کے حصول میں کبھی کوتاہی نہیں کریگا۔ برخلاف اسکے اگر کسی قوم کا یہ اعتقاد ہو کہ یہ نسلی اور پیدائشی طور پر دوسروں سے شرف میں پست ہے تو یقیناً ایسی قوم پست ہمت ہوگی۔ اسکی جدوجہد میں قصور اور عقل و فہم میں فتور ہوگا۔ ایسی قوم کبھی درجہٴ بلند تک نہیں پہنچ سکتی۔ اسکی ہمت کا دائرہ بہت تنگ ہوگا۔

مذہب اسلام نے شرافت اور فضیلت کے دروازے کل انسانوں کے واسطے کھولدیئے ہیں علم و فضل کسیکا جدی ورثہ نہیں مانا بلکہ ہر شخص کو اسکا حقدار ٹھیرایا ہے۔ انسان کی شرافت علم و فضل سے وابستہ کی ہے۔ دوسرے ادیان میں یہ بات کم پائی جاتی ہے۔ ملاحظہ کیجئے۔ برہمنی مت نے کسطرح انسان کو چار گروہوں میں تقسیم کرکے شرافت برہمنوں کے لئے مخصوص کردی۔ اور بیچارے شودر کو نیچے درجہ پر رکھکر انسانیت کا حق بھی اسکو نہ دیا۔ حالانکہ بحیثیت انسان یہ سب مساوی ہیں۔ ایسا مذہب اپنے پیروؤں میں ترقی کا ولولہ پیدا نہیں کرسکتا۔

مذہب عیسوی نے از روئے تعلیم انجیل شرافت کو صرف بنی اسرائیل کا حق بنایا۔ غیر اسرائیلی کو برے ناموں سے یاد کیا۔ اگرچہ بعد میں عیسائیوں نے اصول مذہب کے برخلاف نسلی امتیاز اٹھادیا لیکن پوپ اور حضرات کے لئے اسدرجہ شرافت تسلیم کی گئی کہ جس سے دوسرے انسانوں کی رفعت لازم ہوجاتی ہے مثلاً ایمان کی قبولیت اور گناہوں کی معافی ان کے قبضہ میں رکھی ہے

عوام الناس میں کوئی کتنا ہی متقی اور پارسا ہو براہ راست درگاہِ الٰہی میں اپنے گناہوں کا اقرار کرکے طالب عفو نہیں ہوسکتا۔ بلکہ یہ کام پادری صاحب کے واسطے سے سرانجام ہوتا ہے۔ بارب العزت کے حضور میں وہی ایمان مقبول و منظور ہوتا ہے جسکو پہلے پادری صاحب شرف قبولیت بخشے۔ یہ "جنت بخش" عقیدہ انجیل شریف کی اس آیت سے استنباط کرتے ہیں جہاں لکھا ہے "جو کچھ تم زمین میں کھولتے ہو وہ آسمان میں کھولا جاتا ہے۔ اور جو کچھ تم زمین میں بند کرتے ہو وہ آسمان میں بند کیا جاتا ہے" جب تک "جنت بخش" عقیدہ عیسائی اقوام میں مسلم رہا اُسوقت تک کسی قسم کی ترقی انکو نصیب نہ ہوئی۔ آخر لوتھر نے مسلمانوں کی اقتدا میں اسکو انجیل کے خلاف بتایا۔

۳۔ وہ قوم ترقی کرسکتی ہے جو اپنے معتقدات کی بنا مضبوط اور یقینی دلائل پر رکھے۔ اور وہمیات اور ظنیات کو عقیدہ میں دخل نہ ہو۔ یا محض آبائی تقلید پر قانع نہ ہو۔ کیونکہ جو شخص کسی بات کو بلا دلیل و بلا حجت مان لے۔ یا صرف آبائی تقلید پر اکتفا کرے تو اسکی عقل کند ہو کر غور و فکر سے معطل ہو جاتی ہے۔ ایسا شخص نیک و بد کی تمیز سے عاری ہو کر آفات میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ گیزو وزیر فرانس اپنی مشہور کتاب "مدنیت اقوام فرنگ" میں لکھتا ہے کہ "یورپ کی تہذیب اسوقت شروع ہوئی جب یہاں ایک گروہ ایسا پیدا ہوا جس نے یہ کہنا شروع کیا کہ اگرچہ ہم عیسوی مذہب کے پابند ہیں لیکن ہمکو یہ حق حاصل ہونا چاہیئے کہ اپنے عقائد پر دلائل و براہین طلب کرسکیں پادری لوگ انکو اجازت نہ دیتے اور کہتے تھے کہ مذہب کی بنیاد تقلید پر ہے۔ آخر اس جماعت کے لوگوں نے زور پکڑا اور تقلید کے جال سے نکلکر میدان غور و فکر میں جولانیاں دکھائیں اور ترقی کے اسباب میں ساعی ہوئے"

مذہب اسلام وہ بے نظیر مذہب ہے کہ بلا دلیل عقائد اور اتباع ظنیات کی مذمت کرتا ہے۔ آباؤ اجداد کی کورانہ تقلید پر اسلام نے سخت سرزنش کی ہے اور ہر امر پر عقل سے اپیل اور دلیل طلب کی ہے۔ سعادتمندی کو عقل کا نتیجہ اور شقاوت کو بے عقلی سے نسبت کرتا ہے۔ اسلام نے اصول عقائد پر ایسے دلائل پیش کئے جو عوام کے واسطے مفید ہوں۔ بلکہ اکثر احکام کے ساتھ ساتھ اسکی حکمت بھی ذکر کر دی (دیکھو قرآن مجید) کسی دوسرے مذہب میں یہ خوبی نہیں۔ اسلام میں یہ وہ خوبی ہے جسکا اعتراف غیر مسلم بھی کرتے ہیں۔ عیسائی مذہب کے اصل الاصول یعنی تثلیث کے متعلق تمام عیسائی اعتراف کرتے ہیں کہ یہ عقل و فہم سے ماوراء ہے یعنی عقل کو چھوڑ کر اس کا فلسفہ سمجھ میں آتا ہے۔ اور برہمنی مذہب کے اصول تو واضح ہیں کہ انکا اکثر حصہ عقل کے خلاف ہے۔ خود برہمن اسکا اقرار کریں یا نہ کریں۔

۴۔ قوم میں ایک گروہ ایسا ہونا چاہئے جو ہمیشہ تعلیم و تعلم میں مشغول رہکر قوم کے ذہنی ارتقاء اسباب معیشت۔ وسائل عزت کو ترقی دیتا رہے۔ دوسرا گروہ ایسا ہو کہ قوم کی اخلاقی و روحانی تربیت کرتا رہے۔ اخلاق حمیدہ کے فوائد اور اخلاق رذیلہ کے مضرات کو واضح کرے۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے کسی وقت غافل نہ ہو۔ کیونکہ انسان کے تمام معلومات اکتسابی ہوتے ہیں۔ اگر مربی و معلم نہ ہو تو صرف عقل سے انسان بہرہ یاب نہیں ہو سکتا۔ چونکہ انسان کی خواہشات بے پایان ہوتی ہیں۔ اگر ان کو اعتدال پر رکھنے والا نہ ہو تو ظلم و تعدی کا مرتکب ہو کر امن عامہ میں خلل انداز ہو گا۔ بلکہ خود بھی نفسانی جذبات کی آگ میں جل کر خاکستر ہو گا اور حیوانیت کی زندگی بسر کر کے آخر واصل جہنم ہو گا۔

پس امر بالمعروف اور نہی عن المنکر دونوں ضروری امر ہیں۔ یہ دونوں باتیں اسلام کے فرائض و واجبات میں داخل ہیں (دیکھو قرآن شریف) دوسرے مذاہب میں ان کی اس درجہ اہمیت نہیں۔ اسلام کے ارکان بہت ہیں ان میں سے ہر ایک تمدن و معاشرت کیواسطے نہایت مفید بلکہ ضروری ہے اگر ان سب کی یہاں تشریح کردوں تو اس رسالہ کے موضوع سے خارج ہوگا لہذا اس پر ایک مستقل کتاب لکھونگا تاکہ معلوم ہوجائے کہ جس مدنیت فاضلہ کی آرزو میں بڑے بڑے حکما اپنی زندگیاں صرف کرگئے وہ اسلام میں بطریق کامل موجود ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ جب اسلام کے ایسے اصول ہیں تو مسلمان کیوں ایسی زبوں حالی میں گرفتار ہیں؟ تو اسکا جواب یہ ہے کہ جب مسلمان ان اصولوں کے پابند تھے تو وہ تھے جن کی زمانہ شہادت دے رہا ہے لیکن اب؟ پس اسکا جواب میں صرف قرآن شریف کی ایک آیۃ سے دیتا ہوں:۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ

یہ ہے مجمل کیفیت تمدن و تہذیب میں نیچریت کی مضرات کی اور مذہب خصوصاً مذہب اسلام کے فوائد کی جسکو میں بیان کرنا چاہتا تھا۔

تمت

جمال الدین حسینی

سرطان سنہ ۱۳۰۳

عرض حال

زمانہ حال میں جبکہ مادہ پرستی اور دھریت کا دور دورہ ہے انسان کو مذہب کی طرف توجہ دلانا عالم انسانیت کی اعلیٰ خدمت ہے۔ علامہ سید جمال الدین افغانی رح کی کتاب **نیچریت** اس موضوع پر ایک مختصر لیکن بلند پایہ کتاب ہے، اصل کتاب فارسی میں تھی۔ ہم نے اردو میں اس کا ترجمہ شائع کیا ہے۔ مؤلف کی شخصیت اور کتاب کی خوبی کے متعلق ہم صرف اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ دنیائے اسلام آپ کی فضیلت و علمیت اور کتاب کی خوبیوں کی معترف ہے جسکا مطالعہ کرنیکے بعد ناظرین خود اندازہ لگا سکیں گے کہ ضرورت مذہب اور رفع **نیچریت** (دھریت) کیلئے یہ کسقدر بحر ذخار ہے۔

"مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید"